قاتلان حسینؑ کا مذہب

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن (الہند) ۱۰



قاتلانِ حسینؑ کا مذہب

(ساتواں ایڈیشن)

مصنفہ

آیۃ اللہ العظمیٰ العلامۃ سید علی نقی طاب ثراہ

امامیہ مشن علی گڑھ

سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن (الہند) نمبر ۱

قاتلانِ حسینؑ کا مذہب

(ساتواں ایڈیشن)
بار دیگر

مصنفہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ

امامیہ مشن (الہند) علی گڑھ

[illegible]

اِمامیہ مشن کی پہلی دینی خدمت کا ساتواں عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لفظ "شیعہ" عربی زبان سے لیا گیا ہے جس کے لغوی معنی فرقہ یا گروہ یا جماعت کے ہیں۔ اسی سے تشیع بنا ہے جس کے معنی ہیں، کسی گروہ یا جماعت میں شامل ہونا۔ قرآن کریم میں بھی بعض مقامات پر یہ لفظ استعمال کی گئی ہے مثلاً جناب ابراہیمؑ کے بیان میں ارشاد ہوتا ہے وان من شیعتہ لابراھیم (سورۂ صٰفٰت آیت ۸۳) اور یقیناً ابراہیمؑ اسی (خدا) کے شیعوں میں تھے۔ یا دوسرے مقام پر جناب موسیٰؑ کے واقعہ کے ذیل میں ھٰذا من شیعتہ وھٰذا من عدوہٖ (سورۂ قصص آیۃ ۱۵) وہ ان کے گروہ والوں میں سے تھا اور وہ ان کے دشمنوں میں سے تھا۔

شیعیت کی ابتدا حیات طیبۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ہی ہو گئی تھی چاہے یہ جماعت کتنی ہی مختصر رہی ہو لیکن اپنا وجود رکھتی تھی اور سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار رضوان اللہ علیہم جماعت شیعان علیؑ کے سرگروہ تھے۔ (تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ، سرکار سید العلماء طاب ثراہ)

بعد کے دور میں قتل خلیفۂ ثالث کے بعد باقاعدہ دنیائے اسلام دو طبقوں میں بنٹ گئی۔ ایک وہ جو حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حامی تھے شیعانِ علیؑ کہلائے اور دوسرے جو آپ کے مخالف تھے شیعانِ عثمان کہلائے۔

اب جب کہ لفظ شیعہ اردو زبان میں داخل ہو گئی ہے تو شیعۂ علیؑ، مخفف ہو کر صرف 'شیعہ' ہو کر رہ گیا ہے اور اس سے وہ خاص فرقہ اسلامی مراد لیا جاتا ہے جو حضرت امیر المومنین علیؑ بن ابیطالب کو بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سب سے

افضل اور امام معصوم منصوص من اللہ مانتا ہے۔

محرم ۱۳۵۱ھ میں لکھنؤ میں مولوی عبدالشکور صاحب نے ایک ہنگامہ خیز کتاب لکھی جس میں انہوں نے لکھا کہ قاتلانِ حسین شیعہ تھے۔ اس پر شیعوں اور سنیوں کے درمیان شدید خلفشار رہا حالانکہ مولوی صاحب نے غلط نہیں لکھا تھا بلکہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ اگر وہ یہ لکھ دیتے کہ قاتلانِ حسین شیعۂ عثمان تھے تو کوئی ہنگامہ بھی نہ ہوتا اور زیر نظر کتاب کی ضرورت بھی باقی نہ رہ جاتی۔

بہرحال وقت کی ضرورت کے پیش نظر سرکار آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ نے، جو ابھی ابھی عراق سے تکمیل اجتہاد کے بعد وطن واپس تشریف لائے تھے، باوجود اس کے کہ آپ مناظرہ کے میدان کے شہسوار نہیں تھے، تاریخی تحقیق کی روشنی میں مولوی عبدالشکور صاحب کی کتاب کی رد میں ایک سلسلۂ مضامین سرفراز اخبار میں لکھا جو سات قسطوں میں شائع ہوا۔ اور اسی کو جناب ابن حسین صاحب نقوی مرحوم نے مستقل تصنیف کی صورت سے امامیہ مشن کے سلسلہ اشاعت کی پہلی کڑی کے طور پر "قاتلانِ حسین کا مذہب" کے عنوان سے شائع کیا۔

"قاتلانِ حسین کا مذہب" کا پہلا ایڈیشن محرم ۱۳۵۱ھ میں، دوسرا ایڈیشن صفر ۱۳۵۱ھ میں، تیسرا ایڈیشن کچھ اضافوں کے ساتھ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ، چوتھا ایڈیشن ۱۳۵۵ھ میں اور پانچواں ایڈیشن ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا۔ پھر تقریباً دس برس کے بعد جناب سید نظیر حسین صاحب مرحوم نے چھٹاں ایڈیشن بھی شائع کیا۔ کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ اب بھی ہر طرف سے اس کی مانگ ہے اور کتاب نایاب ہو چکی ہے۔ اسی کے پیش نظر اب یہ ساتواں ایڈیشن حاضر ہے۔

سرکار مرحوم نے بڑی دقتِ نظر اور تحقیق سے کام لے کر ثابت کیا ہے کہ قاتلانِ

حسین ان معنوں میں شیعہ نہیں تھے جن معنوں میں ہندوستان میں اردو زبان میں یہ لفظ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یعنی وہ شیعانِ علیؑ نہیں بلکہ ان کے غیر تھے۔

تمہید کے طور پر یزید اور اس کے باپ دادا کے مذہب پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مستند تاریخوں کے حوالے سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ وہ اپنے قدیم مذہب جاہلیت پر باقی تھے اور یزید کے نزدیک نبوت اور رسالت معاذ اللہ ایک کھیل تھا اور وحی اور فرشتہ خواب و خیال جیسا کہ ص۱۲ پر درج اس کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

ص۲ سے ص۳۱ تک **قاتلانِ حسین کے مذہب پر اجمالی نظر** کے عنوان سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان کا فرقہ شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

ص۳۱ سے ص۵ تک **قاتلانِ حسین کے مذہب پر تاریخی شواہد اور نصوص** کے عنوان سے جو بحث ہے وہ قاتلانِ حسین کے مذہب کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور جب تک وہ نصوص و شواہد تاریخ میں محفوظ اور موجود ہیں کوئی پڑھا لکھا اور صاحب شعور انسان قاتلانِ حسین کو شیعہ کہنے کی حماقت نہیں کرسکتا۔

ص۵ سے ص۹۸ تک کا مضمون **عام اہل کوفہ کا مذہب** کے عنوان کے تحت ہے جس میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ کوفہ کے عوام کی اکثریت کا بھی مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ لوگ وہ تھے جنہوں نے حضرت امیر المومنین کو چوتھے خلیفہ کے روپ میں قبول کیا تھا اور انھیں نے امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بیوفائی بھی کی تھی اور وہی قاتلانِ حسین علیہ السلام میں بھی شامل تھے۔ ہاں اہل کوفہ میں جو شیعہ تھے ان کی اکثریت کربلا میں امام حسین علیہ السلام پر تصدق ہوگئی تھی اور ان کے قاتل تھے وہی یزیدی اہل کوفہ جو قاتلانِ حسینؑ تھے، ہاں جو ان سے بچ رہے تھے انھوں نے سلیمان بن صرد خزاعی اور مختار بن ابی عبیدۃ ثقفی رضوان اللہ علیہم کی سرکردگی میں انتقامِ خونِ حسینؑ کی مہمات میں سردھڑ کی بازی لگا دی اور اپنی جان جان آفریں کے

سپرد کردی۔ اس طرح تاریخی حیثیت سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچی کہ قاتلانِ حسین علیہ السلام میں سے کوئی بھی جماعت شیعہ کی فرد نہیں تھی۔

ص۹۹ سے ص۱۱۳ تک **قاتلانِ حسینؑ کی روپوشی کے بہانے** کے عنوان سے یہ دکھلایا گیا ہے کہ اصحاب امیر المومنینؑ جو آپ کے ساتھ جمل و صفین میں شریک ہوئے تھے وہ بھی سب کے سب شیعہ نہیں تھے بلکہ ان کی اکثریت وہ تھی جس نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت بھی چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے کی تھی جو عقائد شیعہ کے خلاف ہے۔ اور انھیں لوگوں نے بعد میں امام حسن علیہ السلام سے بھی غداری کی تھی۔ اس طرح ثابت ہوگیا کہ نہ عام اہل کوفہ شیعہ تھے اور نہ ہی قاتلان حسین کو ہی مذہب شیعہ سے کوئی علاقہ تھا۔ لہذا انھیں شیعہ ثابت کرنا سعیٔ لاحاصل ہے۔

بحمد اللہ بتوفیق الٰہی امامیہ مشن کی اٹھویں سال گرہ کے تحفہ کے طور پر "قاتلانِ حسینؑ کا مذہب" ساتویں بار جامۂ طباعت سے آراستہ ہوکر آپ کے ہاتھوں میں پہونچ رہا ہے اور اب تو یہ تبرک بھی ہے جو موسسِ مشن سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ کی یاد تازہ کرے گا۔

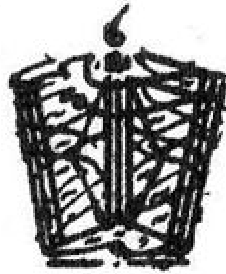
لہذا مشن اپنے قارئین کرام سے ملتمس ہے کہ وہ سرکار مرحوم کو سورۂ فاتحہ کے نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں جنہوں نے اپنی میراث میں ایک گرانقدر ذخیرہ ہمارے لئے چھوڑا ہے جو ایک عظیم علمی سرمایہ ہے۔

والسلام

سید تفسیر الحسن نقوی
آنریری جنرل سکریٹری
۱۷ نیشنل کالونی،
سول لائنس، علی گڑھ

یکم محرم الحرام سنہ ۱۴۱۰ھ

فہرست رسالہ "قاتلان حسینؑ کا مذہب"



ولہ الحمد والصلوٰۃ علیٰ نبیہ وآلہ ۔

تمہید : کہنے کو قاتلانِ حسینؑ مسلمان تھے اور اسی بنا پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے کس فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن تاریخی واقعات اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتے ہیں کہ درحقیقت وہ نام نہاد مسلمان اسلام سے دور کا بھی علاقہ نہ رکھتے تھے۔

مذہب اُن کی نظر میں ایک خود ساختہ گھروندا اور دین و ایمان ظاہر فریبی کا ڈھکوسلا تھا۔ وہ دنیاوی جاہ و ثروت اور مادی ترقی و کامیابی کے آگے کسی دوسرے عالم اور اس عالم کی جزا و سزا کا باور کرنا تو درکنار، اُس کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتے تھے۔ لامذہبی اُن کا حقیقی مذہب اور بے دینی اُن کا دین و آئین تھی، جس کے مظاہرات بھی حسب موقع اُن سے ہو جایا کرتے تھے اور ان ہی مظاہرات کو تاریخ نے امانت داری کے ساتھ ہم تک پہنچا کر ہم کو اُن کی باطنی نیتوں پر حکم لگانے کا موقع دے دیا ہے۔

قتلِ حسینؑ کا اصلی بانی یزید بن معاویہ ہے جس نے کفر و الحاد اور لامذہبی میراث میں پائی تھی اور اس کا اثر تھا جو جاہلیت در اسلام میں بار بار ظاہر ہوتا رہا۔

ابو سفیان جس کے ہاتھوں اسلام کو اپنے ابتدائی و وسطی دور میں سخت مصائب اور خطرناک مواقع کا مقابلہ کرنا پڑا تھا اور بدر و احد و احزاب صرف اسی کی عداوت اسلام کے کرشمے تھے وہ اگرچہ فتح مکہ کے موقع پر رسولؐ اسلام کے قدرتی جاہ و جلال سے مرعوب ہو کر سر تسلیم خم کر چکا تھا، لیکن کفر و شرک نفاق کی صورت میں ہو کر اس کے دل میں ہمیشہ مضمر رہا اور مصلحت وقت کے باعث اس کو چھپائے رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ اکثر مواقع پر سامنے بھی آتا رہا، یہاں تک کہ جنگ یرموک میں جب کہ مسلمانوں کا مقابلہ سلطنت روم کے لشکر سے تھا اور معرکہ کارزار گرم تھا اس وقت ابو سفیان دور سے کھڑا ہوا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب رومیوں کو غلبہ حاصل ہوتے ہوئے نظر آتا تھا تو کہتا تھا:

"ایہ بنی الاصفر" یعنی شاباش اے ملک روم کے بہادرو! اور جب مسلمانوں کو ذرا تقویت ہوتی تھی تو ابو سفیان کی زبان سے حسرت و یاس کے ساتھ یہ شعر نکلتا تھا:

وبنو الاصفر الملوک ملوک   الروم لم یبق منھم مذکور

ہائے افسوس کہ سلطنت روم کے پرشوکت بادشاہوں کا نام مٹتے ہوئے نظر آتا ہے۔

عبداللہ بن زبیر نے اس واقعے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے باپ زبیر سے بیان کیا اس وقت کہ جب مسلمانوں کو کامل طور پر فتح حاصل ہو چکی تھی تو زبیر نے کہا قاتلہ اللہ یابی الا نفاقا او لسنا خیرا لہ من بنی الاصفر خدا اس سے سمجھے یہ نفاق سے باز نہ آئے گا، کیا ہم اس کے لیے رومیوں سے بہتر نہیں ہیں (دیکھو استیعاب ابن عبد البر)

اور جب مسلمانوں کی خلافت تیسرے دور میں بنی اُمیہ تک پہنچی اور حضرت عثمان خلیفہ بنا لئے گئے اس وقت ابوسفیان اپنی عمر کے انتہائی دور میں تھا، اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکا تھا، یہ خبر سُن کر عثمان کے پاس آیا اور کہا کہ عرصے کے بعد اب یہ خلافت تم تک پہنچی ہے اس کو تم گیند کی طرح جدھر چاہو گردش دو اور بنی اُمیہ کے ذریعے سے اس کی بنیادوں کو مضبوط کرو اس لیے کہ جو کچھ ہے وہ یہی دنیاوی سلطنت، رہ گیا جنّت و دوزخ اس کو تو میں کچھ سمجھتا نہیں۔ یہ واقعہ بھی ابن عبدالبر کی کتاب استیعاب میں جو مصر کے بعد حیدرآباد میں طبع ہوئی موجود ہے۔ ان دو بے تاریخی واقعوں سے ابوسفیان کے اسلام کی حقیقت کھل جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سینہ کی ہڈیوں کے اندر کفر و الحاد کے کیسے جراثیم پرورش پا رہے تھے۔

اِسی ابوسفیان کے خلیفہ دجانشین معاویہ تھے جن کے متعلق زبان کھولنے کے لیے بہت بڑی جرأت کی ضرورت ہے اس لیے کہ عام مسلمانوں نے انھیں بڑھا چڑھا کر بڑے مرتبوں پر پہنچا دیا ہے لیکن مورخین اہلسنّت مُبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اکثر واقعات کے اظہار میں کسی ذاتی رجحان اور خارجی دباؤ کا اثر نہیں لیا ہے بلکہ حقائق کو اصلی صورت میں پیش کر دیا ہے اگرچہ وہ خود اُنھی لوگوں میں سے کسی کے مسلمہ عقیدے کو ملیامیٹ کر دیں۔ معاویہ کی نظر میں مذہب کی وقعت جتنی تھی وہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حتات مجاشعی، اور جاریہ بن قدامہ اور احنف یہ تینوں شخص امیر معاویہ کے دربار میں حاضر ہوئے معاویہ نے جاریہ اور احنف کو حتات سے زیادہ جائزہ عطا کیا جس پر حتات نے آکر شکایت کی کہ آپ نے فلاں دو شخصوں کو میرے اوپر ترجیح دی اور اُن کا مجھ سے زیادہ لحاظ کیا۔ معاویہ نے

جواب دیا کہ اُن سے میں نے اُن کا دین و مذہب مول لے لیا ہے۔ حتات نے کہا کہ پھر مجھ سے میرا دین خرید لیجیے (ملاحظہ ہو استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد اوّل صفحہ ۱۵۴ و اسد الغابہ ابن اثیر جزری جلد ۱ صفحہ ۳۷۹)

اسی نوعیت کا واقعہ ابن اثیر جزری نے کامل التواریخ میں لکھا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے بصرہ سے دس آدمیوں کو ۳۰ ہزار درہم رشوت کے ساتھ یزید کی ولی عہدی پر راضی کر کے اپنے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی معیت میں معاویہ کے پاس بھیجا اور اُن لوگوں نے معاویہ کے سامنے یزید کی جانشینی پر اظہار مسرت کیا۔ اس وقت معاویہ نے آہستہ سے موسیٰ بن مغیرہ سے پوچھا کہ سچ بتانا کتنے کو تیرے باپ نے ان لوگوں سے اُن کے دین و ایمان کو خریدا ہے۔ موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم کو۔

ان دونوں واقعوں سے صاف ظاہر ہے کہ دین و مذہب کی ان نظروں میں کوئی وقعت نہ تھی اور روپیہ اشرفیوں یا صرف ظاہری آؤ بھگت پر لوگوں سے اُن کے دین و آئین کو خرید کر لامذہبیت کو رواج دیا جا رہا تھا۔

اسلام کا مشہور و معروف مسلم الثبوت مورخ اور امام فن محمد بن جریر طبری اپنی تاریخ میں سنہ ہجری کے واقعات لکھتے ہوئے رقم طراز ہے کہ عمرو عاص اہل مصر کی ایک جماعت کے ساتھ معاویہ کے پاس دارالخلافہ شام باریابی کے لیے آیا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ عمرو عاص معاویہ سے کسی حد تک برسرپرخاش تھا، اُس نے ان لوگوں کو سکھلا دیا کہ دیکھو جب تم معاویہ کے دربار میں جانا تو اُسے خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا اور جہاں تک ممکن ہو اُس سے حقارت کے ساتھ بات کرنا، اس کی وجہ سے تمہاری ہیبت اُس کے دل پر قائم ہوگی، معاویہ کو جب ان لوگوں کے

پہنچنے کی اطلاع ہوئی وہ اپنی ذہانت سے عمرو عاص کی سازش کو تاڑ گئے، اور دربانوں سے کہا میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ نابغہ کے لڑکے (عمرو عاص) نے ان لوگوں کی نظر میں میری منزلت کو گھٹا دیا ہوگا، لہٰذا تم خیال رکھو جب یہ لوگ آئیں تو ان کے ساتھ انتہائی سختی کرنا، یہاں تک کہ ہر شخص کو ان میں سے یقین ہو جائے کہ اس کی جان کی خیر نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کے سامنے دربار میں حاضر ہوا وہ یوں آداب بجالایا السلام علیک یا رسول اللہ ٹس پھر کیا تھا سبنے اسی کی موافقت کی اور جو آیا اس نے معاویہ کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۴ مصر)

ضروری اہم تبصرہ

اس روایت کے تتمہ میں حسب ذیل عبارت بھی موجود ہے قال ولبس معاویۃ یوما عمامۃ الحرقانیۃ واکتحل وکان من اجمل الناس اذا فعل ذلک شک عبد اللہ فیہ سمعہ او لم یسمعہ معاویہ نے ایک روز اپنا عمامہ حرقانیہ پہنا اور سرمہ لگایا اور وہ جب ایسا کرتے تھے تو ان کے حسن و جمال کی انتہا نہ رہتی تھی۔ عبد اللہ کو اس میں شک ہے کہ اس کو سنا تھا یا نہیں۔

وہ لوگ جو معاویہ کے ہر طرز عمل کی حمایت کرنا اور ان کی ہر بات کو چاہے وہ کتنی ہی غیر قابل تاویل ہو اپنا وظیفۂ منصبی سمجھتے ہیں۔ انھیں کوئی تعجب نہیں ہے کہ اس عبارت کے آخری فقرے کے اندر ڈوبتے میں تنکے کا سہارا مل جائے اور فوراً شک عبد اللہ فیہ سمعہ او لم یسمعہ کے معنی یہ کہہ دیں کہ "اس

روایت کا راوی عبد اللہ شک کرتا ہے کہ حضرت معاویہ نے اس لفظ کو سنا یا نہیں؟
لیکن افسوس ہے کہ روایت پر شروع سے آخر تک ایک سرسری نظر بھی جو ڈالی جائے وہ اس خیال کو بے بنیاد ثابت کر دیتی ہے حدثنی عبد اللہ بن احمد قال حدثنی ابی قال حدثنی سلیمان قال قرأت علی عبد اللہ عن فلیح قال اخبرت۔

اس سلسلے سے صاف ظاہر ہے کہ عبد اللہ ابتدائی راوی ہے یا وسطی جو سلسلۂ سند کے بیچ میں واقع ہوتا ہے اور وہ موقع واردات پر موجود نہ تھا اور واقعہ اس کا چشم دید نہ تھا بلکہ اس تک واقعے کی خبر دو راویوں کے واسطے سے پہنچی ہے لیکن صورت حال کی بنا پر شک کرنا کہ معاویہ نے سنا تھا یا نہیں اس راوی کا حق ہے جو واقعے کا دیکھنے والا اور موقع پر موجود تھا وہ اگر اس میں شک کا اظہار کرتا کہ معاویہ نے سنا یا نہیں تو واقعے میں شاید ابہام پیدا بھی ہو جاتا لیکن اس نے تو بہت صفائی کے ساتھ اصل واقعے کو نقل کیا ہے جس میں کسی شک و شبہہ کا اظہار نہیں ہے اب کئی طبقوں کے بعد کا جو راوی ہے وہ کہے کہ مجھ کو شک ہے معاویہ نے سنا تھا یا نہیں کہاں تک قابل قبول ہو سکتا ہے۔

درحقیقت شك فیه سمعه اولم یسمعه کے یہ معنی قرار دینا بالکل اصول تکلم اور آئین گفتگو کے خلاف اور سراسر غلط ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ روایت کے ختم ہونے کے بعد جو مسلم حیثیت رکھتی تھی قال کے مستقل عنوان سے راوی نے کچھ اور باتیں معاویہ کی نقل کی ہیں اور وہ یہ کہ معاویہ نے ایک دن اپنا عمامہ خرقانیہ باندھا اور یہ کہ جب وہ ایسا کرتے تھے تو انتہائی حسین معلوم ہوتے تھے۔ اٹھ کر کے

کے متعلق راوی عبداللہ کو شک ہے کہ یہ بھی انھوں نے (یعنی عبداللہ نے) اپنے سے واقعہ کے بیان کرنے والے راوی (اپنے باپ یا فلیح) کی زبانی سنا تھا یا نہیں اس کو اصل روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر ایسا بھی ہو کہ یہ فقرہ راوی کا اصل واقعہ سے تعلق رکھتا ہے تو بھی وہ حقیقۃً راوی کے حسن ظن اور خوش عقیدگی کا نتیجہ ہے کہ وہ امیر معاویہ کی نسبت یقینی طور پر اس امر کو باور نہیں کرنا چاہتا کہ انھوں نے ایسا سنا ہو اور سکوت کیا ہو اس لیے وہ اس امر کو مشتبہ قرار دیتا ہے کہ معاویہ نے اس لفظ کو سنا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی حقیقۃً اہل سنت و جماعت میں سے اور امیر معاویہ کے ساتھ کامل عقیدت مندی رکھتا تھا۔ اگر اصل واقعہ میں کسی قسم کی کمزوری پائی جاتی تو وہ یقیناً اسی کا انکار کر دیتا اور خود بیان نہ کرتا، لیکن چوں کہ اصل واقعہ ناقابل انکار تھا اس لیے اس نے اس کی تاویل میں اپنی خوش عقیدگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

اور یہ امر طے شدہ ہے کہ راوی کے اقوال بہ حیثیت راوی اسی حد تک معتبر ہیں جہاں تک وہ بیان واقعہ سے تعلق رکھتے ہوں نہ اس کے ذاتی خیالات۔

واقعہ ایک ایسے عقیدت مند راوی کا بیان کردہ سامنے موجود ہے اس سے نتیجہ نکالنا ہر بابصیرت انسان کا خود کام ہے۔ اگر درایت کوئی چیز ہے اور واقعات کے ساتھ قرائن کا انضمام کچھ بتلایا کرتا ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ راوی کا یہ شک کہ امیر معاویہ نے سنا بھی تھا یا نہیں بالکل بے موقع اور ناقابل اعتنا ہے جیسر دسکون کے ساتھ روایت کا ایک نظر پھر مطالعہ کیجیے اور اس کے بعد فیصلہ

دیکھیے. مصری جماعت کے ورود کے موقع پر عمرو عاص اس کی کوشش کرتا ہے کہ یہ لوگ معاویہ کو خلیفہ کہہ کر سلام نہ کریں۔ معاویہ کو بھی اس سازش کا اپنی ذاتی فراست کی بنا پر یا کسی اور ذریعہ سے پتہ چل جاتا ہے۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر انتظامات کرتے ہیں کہ مصری جماعت کے ساتھ انتہائی سختی کی جائے جس کے رعب میں آکر وہ عمرو عاص کی سازش پر عمل نہ کر سکیں۔ اس صورت حال کا فطری لازمہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ معاویہ کے سامنے آئیں تو معاویہ کی تمام تر توجہ اس کی طرف مبذول ہو کہ دیکھوں یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اس کے بعد وہ لوگ دربار میں وارد ہوتے ہیں اور سلام کرتے ہیں. ظاہر ہے کہ سلام کسی شخص کو میل دو میل سے نہیں کیا جاتا بلکہ قریب ہوتا ہے اور پھر یہ لوگ ایک دو نہیں بلکہ کافی جماعت تھی جو یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں آرہی تھی اور جو آتا تھا یہی کہتا تھا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اس کے بعد یہ شبہ ظاہر کرنا کہ معاویہ نے سُنا یا نہیں اُسی وقت قابلِ قبول ہو سکتا ہے جب تاریخ کے ورق معاویہ کے لیے (خدانخواستہ) ثقل سماعت کا پتہ دے دیں لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہے۔

رہ گئی رجال سند کی بحث تو یہ ظاہر ہے کہ تاریخی واقعات میں مستند مورخین کے اعتماد اور نقل ہی پر بنیاد قرار پاتی ہے اور اس روایت سے احتجاج کے لیے طبری ایسے امام، حافظ، متبحر، متقن کا نقل و اعتماد کافی ہے جو شیعہ ہرگز نہ تھے کہ اُن کی نسبت امیر معاویہ سے خواہ مخواہ کی عداوت کا الزام عائد ہو سکے. بے شک تاریخ طبری میں اس کے قبل و بعد امیر معاویہ کی تعریف اور اُن کے ورع و تقویٰ کی حکایتیں بھی موجود ہیں لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ کسی خاص عقیدہ والے کی تحریر

اُس عقیدہ کے خلاف جتنی مستند ہوسکتی ہے اُس کے موافق نہیں۔ طبری جتنی
بھی جلالت قدر اور عظمت رکھتے ہوں وہ اپنے فرقہ میں ہے۔ اور اسی حیثیت
سے ہم نے بھی اُن کو "مشہور و معروف مسلم الثبوت مورخ اور امام فن" کی لفظوں سے
یاد کیا ہے لیکن بہرحال وہ سُنّی تھے اور اس لیے امیر معاویہ کی مدح میں اُن کے
روایات پیش کرنا ویسا ہی ہے جیسا کہ اُن کی مذمت میں شیعی روایات۔ یہ صرف
مسلکِ مناظرہ ہی کے خلاف نہیں ہے کہ جس سے مجھ کو تعلق نہیں بلکہ مسلکِ تحقیق
کے بھی خلاف ہے جو میر انصب العین ہے ایک واقعہ کے ثبوت میں مخالف فریق
کے موافق بیانات جتنے مفید ہوسکتے ہیں موافق فریق کے موافق بیانات نہیں
اور اس لیے ہم کو طبری کے اُن روایات پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں جن میں امیر
معاویہ کی مدح میں رطب اللسانی کی گئی ہے۔

بلاشبہ ایک خوش عقیدہ مسلمان کو اس واقعہ سے حیرت و تعجب کی انتہا
نہیں رہ سکتی، اسلامی دربار میں خلیفہ وقت کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا جائے اور
اُن لوگوں کو سزا تو درکنار معمولی سی تنبیہ بھی نہ کی جائے، اس سے ضمیر کا پتہ صاف
چلتا ہے اور حقیقی مقصد واضح ہوجاتا ہے۔

خود حاکم وقت کو جانے دیجیے دمشق کے بھرے ہوئے دربار میں کسی ایک
شخص کا بھی اس واقعہ پر چیں بجبیں ہونا تاریخ میں نظر نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ اُس وقت اسلامی جذبات اور مذہبی احساسات کس درجہ فنا ہوچکے تھے۔

اور ملاحظہ ہو

رسالت مآبؐ کی عظمت جتنی عوام کی نظروں میں بھی اُتنی خلیفۃ المسلمین کی

نظر میں نہ تھی جیسا کہ اُس واقعہ سے ظاہر ہے جس کو ابوحاتم سہل بن عثمان سجستانی بصری متوفی ۲۵۰ھ نے اپنی کتاب "معمرین" میں جو مصر کے مطبع سعادت میں ۱۳۲۳ھ میں شایع ہوئی ہے صفحہ ۸۰ پر درج کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ معاویہ کو اشتیاق پیدا ہوا ایک ایسے شخص سے ملنے کا جس کی عمر بہت زیادہ طولانی ہو اور وہ اُس سے زمانۂ قدیم کے حالات دریافت کریں۔ لوگوں نے حضرموت کے ایک شخص کا پتہ دیا جس کا نام امد بن ابد تھا اور اس کی عمر تین سو ساٹھ برس کی ہو چکی تھی۔ اثنائے گفتگو میں معاویہ نے اُس سے دریافت کیا کہ تم نے ہاشم کو دیکھا ہے؟ اُس نے کہا ہاں میں نے ان کی زیارت کی ہے۔ بہت شان دار، بلند بالا، خوب صورت شخص تھے۔ پوچھا اُمیّہ کو بھی دیکھا ہے؟ کہا کہ ہاں، ایک پست قامت اندھا آدمی تھا، جس کے چہرہ سے شرارت ظاہر ہوتی تھی۔ معاویہ نے کہا تم نے محمدؐ کو بھی دیکھا ہے؟ اُس نے ان معمولی لفظوں میں ایک مسلمان سے حضرت کا نام سُن کر متعجبانہ انداز سے پوچھا، محمدؐ کون؟ کہا وہی رسولِ خدا۔ یہ سُن کر اُس نے کہا کہ "وائے ہو تم پر، تم نے پہلے ہی اُن کا اس طرح احترام کے ساتھ نام کیوں نہ لیا جس کا خدا نے انھیں مستحق بنایا ہے، یوں کیوں نہ کہا کہ تم نے رسول اللہ کو دیکھا ہے؟" یہ واقعہ ابن اثیر جزری کی اسد الغابہ (جلد ۱ صفحہ ۵۱) میں بھی موجود ہے۔

اس سے زیادہ شرم ناک اور تعجب خیز واقعہ وہ ہے جس کو زبیر بن بکار نے موفقیات میں درج کیا ہے۔ یہ زبیر محدثینِ اہلِ سنت میں بلند پایہ شخص اور صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مطرف بن مغیرہ بن شعبہ ناقل ہیں کہ میں اپنے

باپ مغیرہ کے ساتھ دمشق امیر معاویہ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے گیا۔
مغیرہ شاہی مہمان ہوئے اور روز معاویہ کے دربار میں جاتے اور جب واپس
ہوتے تو معاویہ کی عقل و فراست اور تدبّر اور دور اندیشی کی تعریفیں کرتے تھے۔
ایک مرتبہ رات کو جو واپس ہوئے تو کھانے سے انکار کر دیا اور محزون و مغموم سر
جھکا کر بیٹھ گئے۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ یہ خود بولیں مگر اُنھوں نے کچھ نہ کہا تو میں
نے خود دریافت کیا کہ آج آپ کے مغموم ہونے کی کیا وجہ ہے؟ کہا بیٹا کیا بتاؤں
میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو کفر و خباثت میں دُنیا بھر سے زیادہ
ہے۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا؟ کہا کہ آج تنہائی میں میں نے کہا کہ اے
امیر المومنین! اب آپ کی کافی عمر ہو چکی ہے بہتر ہے کہ آپ عدل و احسان کو
کام میں لائیں اور کتنا اچھا ہے کہ آپ اپنے رشتہ دار بنی ہاشم کی طرف بھی توجہ کیجیے
اور اُن کے ساتھ صلۂ رحم فرمائیے کیوں کہ اب اُن کے پاس کوئی ایسا سامان نہیں
رہا ہے جس سے آپ کو اندیشہ ہو۔ اس طرح آپ کا ذکرِ جمیل اور اجر و ثواب دنیا و
آخرت میں باقی رہ جائے گا۔

یہ سُن کر معاویہ اُبل پڑے۔ کہا کہ ہیہات ہیہات! مجھ کو کس ذکرِ جمیل کی امید
ہو سکتی ہے جو باقی رہے۔ قبیلۂ بنی تیم کے خلیفہ (ابو بکر) نے سلطنت کی اور کیسے کیسے
کام کیے اور کس طرح عدالت کی پھر کیا ہوا؟ سوا اس کے کہ اُن کو جب موت آئی تو
اُن کا نام بھی مردہ ہو گیا اور سوا اس کے کہ لوگ کبھی کبھی نام لے لیں اور کوئی اثر
نہ چھوڑا۔ پھر قبیلۂ عدی کے خلیفہ (عمر) نے سلطنت کی اور دس برس عرق ریزی اور
جاں فشانی سے کارہائے نمایاں انجام دیے، ان کا انجام بھی یہی ہوا کہ وہ خود مردہ

ہو گئے اور اُن کا نام بھی مردہ ہو گیا سوا اس کے کہ لوگ کبھی کسی تذکرہ میں کہہ دیں، لیکن یہ ابن ابو کبشہ (یہ وہ نام ہے جس سے کفار قریش حضرت رسولؐ کو یاد کیا کرتے تھے) روزانہ پانچ دفعہ اذان میں اس کا نام اس طرح پکارا جاتا ہے کہ اشھد ان محمداً رسول اللہ پھر اب مجھ کو اپنے کس کارنمایاں کے بقا کی اُمید ہو اور کون سا نام میرا باقی رہ سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں آخری انجام زمیں میں دفن ہونا ہے اور بس (نصائح کافیہ محمد بن عقیل حضرمی صـ۹۲)

اسی دادا کا پوتا اور اسی باپ کا بیٹا یزید تھا جس کو اتفاقات زمانہ اور باپ کے حسن سیاست نے مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا تھا۔ اس کے اقوال افعال سب ہی اُس کے عقیدہ کے آئینہ دار تھے۔ افعال کا یہ عالم کہ واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ کی زبانی نقل کیا ہے کہ خدا کی قسم ہم کو یزید کی حکومت میں یہ خوف ہو گیا تھا کہ اب آسمان سے ہم پر پتھر برسائے جائیں گے، وہ ایسا شخص تھا جو اپنی ماں بیٹیوں بہنوں تک کو نہ چھوڑتا تھا اور شراب آزادی سے پیتا تھا اور نماز کو ترک کرتا تھا۔ (صواعق محرقہ ابن حجر صـ۱۳۵ طبع مصر)

اور اقوال کا یہ حال کہ بھرے دربار میں اُس کی زبان ان اشعار کے ساتھ مترنم تھی:

لیت اشیاخی ببدر شھدوا — جزع الخزرج من وقع الاسل

کاش میرے جنگِ بدر والے بزرگ موجود ہوتے اور وہ مشاہدہ کرتے

فریق مقابل کی گھبراہٹ کا نیزوں کے مقابلہ میں

لعبت ھاشم بالملک فلا — خبر جاء ولا وحی نزل

یہ تو بنی ہاشم کو سلطنت کا کھیل کھیلنا تھا، نہ کوئی خبر آئی تھی نہ آسمان سے کوئی وحی اُتری تھی۔

لست من خندف ان لم انتقم　　من بنی احمد ما کان فعل

میں اپنے بزرگوں کی نسل سے نہیں اگر محمدؐ کی اولاد سے ان کے کیے کا بدلا نہ لوں۔

فجزینا هم ببدر مثلها　　وباحد یوم احد فاعتدل

جو بدر و احد میں ہمارے ساتھ سلوک ہوا تھا، اُس کا ہم نے پورا پورا بدلا لے لیا

لو رأوه لاستهلوا فرحا　　ثم قالوا یا یزید لا تشل

اگر میرے بزرگ اس موقع کو دیکھ لیتے تو خوشی کے مارے کھلکھلا کے ہنستے اور کہتے کہ اے یزید! کبھی تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔

یہ وہ اشعار تھے جو نشۂ شراب اور نشۂ فتح و نصرت دوہری مستی کے عالم میں یزید کی زبان سے نکل رہے تھے اور وہ اپنے ذاتی خیالات کو بغیر کسی اندیشہ کے ظاہر کر رہا تھا۔ اور علامہ سبط ابن جوزی نے انہی اشعار کی بنا پر صریحی طور سے اُس کے کفر کا فتوےٰ دیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر یزید کے دل میں زمانہ جاہلیت کی عداوت اور بدر و اُحد کے انتقام کا جوش نہ ہوتا تو کم از کم وہ سرِ حسینؑ کے ساتھ بے احترامی نہ کرتا اور اُس کے دفن کا حکم دیتا اور زنانِ اہلبیتؑ کے ساتھ عزت و احترام کا سلوک کرتا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں کفر و جاہلیت کے جذبات موجود تھے جو اُس کو اہلبیتِ رسولؐ کے ساتھ کسی رو رعایت

پر آمادہ نہ ہونے دیتے تھے۔

محمد بن جریر طبری کہ جنھیں یزید کے ساتھ کافی خلوص ہے اور اہل بیت رسالت کے ساتھ یزید کے حسن سلوک کی غلط حکایتیں نقل کرنے میں انھیں لذت محسوس ہوتی ہے وہ بھی اُس موقع پر کہ جب یزید نے اہل حرم کو ماتم داری کی اجازت دی ہے اور غارت شدہ اموال کو واپس کیا ہے حضرت سکینہ بنت الحسینؑ کی زبانی یزید کی مدح میں جو نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

"مارأیت رجلا کافرا باللّٰہ خیرا من یزید بن معاویۃ"

میں نے کوئی خدا کا منکر یزید بن معاویہ سے بہتر نہیں دیکھا (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۰)
اس سے بھی یزید کے مذہب پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

یزید کے بعد دوسرا شخص جسے قاتل امام حسینؑ کہا جا سکتا ہے وہ پسر مرجانہ عبید اللہ بن زیاد ہے جو یزید کے ساتھ یک جان دو قالب کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے متعلق یزید نے اپنے ان اشعار میں اظہار خیال کیا ہے:

اسقنی شربۃ تروی مشاشی ثم قم واسق مثلھا ابن زیاد

ہاں اے ساقی مہوش! مجھ کو ایک ایسا ساغر پلا دے جو میرے جسم کے ہر جوڑ بند کو سیراب کر دے، پھر کھڑے ہو کر ایسا ہی ایک جام ابن زیاد کو پلا۔

صاحب السر والامانۃ والتسدید منی ومغنمی وجھادی

وہ کہ جو خالص دوست اور امانت دار، اور میری تائید کرنے والا اور میرا سرمایۂ زندگی اور جنگ میں میرا اہم دست ہے۔"

اس شخص کا کفر و الحاد اور احکام خدا و رسولؐ سے روگردانی طشت از بام تھی اور کوفے کے عام افراد بھی اُس سے خوب واقف تھے، چنانچہ اس موقع پر جب حضرت مُسلم ہانی بن عروہ کے گھر پر فروکش تھے اور شریک بن اعور کی عیادت کے لیے ابن زیاد کے آنے کی خبر معلوم ہوئی اور شریک نے حضرت مسلمؑ سے کہا کہ یہی موقع ہے اس کو قتل کر ڈالیے لیکن ابن زیاد آیا بھی اور چلا بھی گیا۔ مسلم نے کوئی اقدام اُس کے قتل پر نہ کیا۔ شریک نے اُس کے جانے کے بعد مسلم سے اس کا سبب پوچھا تو مسلمؑ نے کہا "خصلتان اما احدا ہما فکراھۃ ھانی ان یقتل فی دارہ واما الاخریٰ فحدیث حدثہ الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الایمان قید الفتک ولا یفتک مؤمن" اس کے دو سبب تھے، پہلے تو یہ کہ ہانی کو یہ امر ناپسند تھا کہ ابن زیاد اُن کے گھر میں قتل کیا جائے، دوسرے یہ کہ جناب رسالتمآبؐ کی حدیث ہے کہ ایمان قتل پر پابندی عائد کرنے والا ہے اور کوئی مسلمان قتل نہیں کیا جا سکتا۔"

یہ سُن کر ہانی نے کہا " اما واللہ لو قتلتہ لقتلت فاسقاً فاجراً کافراً غادراً ولکن کرھت ان یقتل فی داری" خدا کی قسم آپ یقین جانیے کہ اگر آپ اس کو قتل ڈالتے تو یہ کسی مسلمان کا قتل نہ ہوتا بلکہ ایک فاسق، فاجر، کافر، غدار کا قتل ہوتا، بے شک مجھ کو یہ امر ناپسند تھا کہ وہ میرے گھر میں قتل ہو۔

(طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۴)

تیسرا شخص جو قتل حسینؑ کا براہ راست ذمہ دار کہا جا سکتا ہے وہ عمر بن سعد ہے

اس کے اسلام کی حقیقت اُن اشعار سے ظاہر ہے جو اُس نے اُس موقع پر نظم کیے تھے جب ابن زیاد نے اُس کو قتل امام حسینؑ پر مامور کیا ہے:

فواللہ لا ادری وانی لحائر   افکر فی امری علی خطرین

خدا کی قسم میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور میں حیران ہوں، میں اپنی نسبت دو عظیم باتوں میں فکر کر رہا ہوں۔

اأترک ملک الری والری منیتی   ام اصبح ماثوما بقتل حسینؑ

کیا میں ملک رے کو ہاتھ سے جانے دوں حالاں کہ ملک رے کی مجھ کو مدت سے آرزو ہے یا میں حسینؑ کو قتل کر کے ہمیشہ کے لیے گناہ گار بنوں۔

الا انما الدنیا بخیر معجل   وما عاقل باع الوجود بدین

یاد رہے کہ دنیا نقد حاضر راحت کا نام ہے اور کون عاقل ہے جو نقد کو قرض کے عوض بیچ ڈالے۔

یقولون ان اللہ خالق جنۃ   ونار وتعذیب وغل یدین

لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے کوئی جنت خلق کی ہے اور آگ اور عذاب اور طوقوں کی ہتھکڑیاں۔

فان صدقوا فیما یقولون اننی   اتوب الی الرحمن من سنتین

اچھا تو اگر یہ لوگ سچے ہیں ان باتوں کے کہنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے میں دو ہی برس کے اندر اس گناہ سے توبہ کر لوں گا۔

وان کذبوا فزنا بدنیا عظیمۃ   وملک عقیم دائم الحجلین

اور اگر یہ غلط کہتے ہیں اور جنت و دوزخ کی کوئی حقیقت نہیں تو پھر کیا ہے،

پھر تو ہم ایک عظیم دُنیا اور ایسے ملک کے حاصل کرنے میں کام یاب ہوئے
جس کی نعمتیں باقی رہنے والی ہیں ۔

ان اشعار میں صریحی طور پر عقیدہ معاد پر اور جنّت و دوزخ کے وجود کا مذاق اُڑایا گیا ہے ۔

جب حکّام دربار کا یہ عالم تھا تو دوسروں کا کیا پوچھنا؟ وہ تو ان ہی لوگوں کے اشارے پر چلنے والے اور اُن کے آلۂ کار تھے ۔ اُن کا مذہب شر اور رو پہلے سکوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ان لوگوں کو مسلمان کہنا اسلام کے دامن پر ایک بدنا داغ لگانا ہے، اور درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں ہے ۔

یہ تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد اس سوال کا موقع ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سُنّی تھے یا شیعہ؟ اس لیے کہ سُنّی شیعہ کا افتراق اسلامی مشترکہ اصول و عقاید کو تسلیم کر لینے کے بعد پیدا ہوتا ہے اور جب خود اسلام ہی من کش نظر آتا ہو تو سُنّی شیعہ کی تفریق بے موقع ہے، لیکن افسوس ہے کہ وہ افراد جنھیں خواہ مخواہ اختلاف پیدا کرنے میں لذّت محسوس ہوتی ہے اور بے بات کی بات پیدا کر کے اسلامی جماعتوں میں تصادم پیدا کرتے ہیں، وہ اس خیال کو بہت اہمیت دیتے ہیں کہ قاتلانِ امام حسینؑ خود شیعہ ہی تھے، اور یہ دعویٰ بڑے زور و شور سے ان حلقوں میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ چوں کہ تاریخی نصوص و شواہد اس دعوے کو بے بنیاد ثابت کرنے میں ہم آواز ہیں، لہٰذا ایک تاریخی فرض کی حیثیت سے ہم نے قصد کر لیا ہے کہ اس سلسلہ میں عام اسلامی مستند کتب سے تاریخی حقائق کا ایک سلسلہ قلم بند کریں جس کے بعد ذہنوں میں قفل اور زبانوں میں گرہ پڑ جائے

اور پھر اس کی جرأت نہ ہو کہ قاتلان حسینؑ کو شیعہ کہا جائے۔

قاتلان حسینؑ کے مذہب پر اجمالی نظر

گزشتہ حصۂ کلام میں جو کچھ حوالۂ قلم ہوا وہ اس ننگ انسانیت جماعت کے باطنی عقائد کی بنا پر تھا جس کی پردہ دری تاریخ کے ہاتھوں نے کر کے صاف واضح کر دیا ہے کہ اس جماعت کے دل میں اسلامی عقیدہ کا کوئی نقش قائم نہ ہوا تھا بلکہ ان کا مذہب عین لامذہبی تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ ظاہری حیثیت سے یہ افراد مذہب اسلام کے حلقہ بگوش تھے اور ان کی لامذہبی جس درجہ پر بھی ہو اس پر رسمی و رسمی مذہب کا ایک ہلکا سا پردہ پڑا ہوا ضرور تھا جس کی بنا پر یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کا تعلق اسلام کے کس فرقہ سے تھا؟ اس امر کی تحقیق کے لیے دو تنقیحیں قائم ہونا ضروری ہیں:

(۱) امام حسینؑ کے قتل کی بنیاد کیا تھی؟

(۲) جس بنیاد پر اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا گیا تھا اس کی جگہ کس فرقہ کے اصول و تعلیمات میں نکالی جا سکتی ہے؟

ان دونوں تنقیحوں کے حل کرنے کے بعد یہ سوال خود بخود حل ہو جائے گا کہ اس قتل پر اقدام کرنے والے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

تاریخی حیثیت سے یہ امر ناقابل انکار ہے کہ قتل امام حسینؑ کی بنیاد امیر شام معاویہ کے بعد یزید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرانے کے لیے حسینؑ بن علیؑ سے بیعت پر اصرار اور اس کے بعد حسینؑ کا اس خلافت کے تسلیم کرنے سے انکار اور اپنی بات پر

آخر وقت تک ہزاروں مصیبتیں سامنے آنے پر بھی قائم رہنا ہے۔

یہی وہ چیز تھی جس نے دُنیا کی اس طویل و عریض وسعت کو فرزند رسُول پر تنگ کر دیا تھا اور جس کی بنا پر دشمنوں کی خون آشام تلواریں اس بے گناہ کے خون کی پیاسی ہو گئی تھیں۔

یہی وقت جب معاویہ بہ قول ابن حجر مکی[1] یزید کی محبّت میں اندھے ہو کر مسلمانوں کے اپنے ہمہ تن فسق و فجور بیٹے یزید کی بیعت لے رہے تھے اور اُس کی ولی عہدی کو تسلیم کرانے کے لیے شام و عراق کے خزانے اور حیلہ گری و سیاست کے تمام ہتھکنڈے صرف ہو رہے تھے، اور عالم اسلام کا ہر جزو و کل تابع فرمان ہو چکا تھا اُس موقع پر پانچ شخص ایسے تھے جو حاکم شام کی تمام سطوت و قوت اور تدبیر و سیاست کے باوجود اپنی بات پر قائم تھے اور یزید کی بیعت کرنا اپنے لیے ننگ سمجھتے تھے جن میں سب سے پہلا نام حسینؑ بن علیؑ کا ہے اور آپ کی دیکھا دیکھی عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن عباس بھی یزید کی بیعت سے انکار کرتے تھے۔

امیر شام معاویہ پر یہ امر چھپا ہوا نہ تھا کہ اس جماعت میں سب سے زیادہ نمایاں ہستی حسینؑ کی ہے اور اس بنا پر خود مدینہ آ کر سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ کہ حسینؑ بن علیؑ کو بلوا کر کہا کہ اس معاملے میں تمام لوگ ہم وار ہو چکے ہیں سوا ان پانچ آدمیوں کے قریش میں سے جن کی سرکردگی تم کر رہے ہو۔ حضرت نے متعجبانہ انداز سے کہا "اَنَا اَقُودُھُم" میں ان کی سرکردگی کرتا ہوں؟ معاویہ نے دیدہ دلیری کے ساتھ کہا "نعم انت تقودھم بے شک تم ہی اُن کے سرگردہ ہو۔" یہ سُن کر حضرت نے

---

[1] تطہیر الجنان حاشیہ صواعق طبع مصر ص۵۸

فرمایا "تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ آپ دوسرے لوگوں کو بلوا کر ان سے بیعت کا مطالبہ کیجیے اگر ان سب نے بیعت کر لی تو تنہا مجھ سے آپ کو کسی اندیشہ کی ضرورت نہیں" یہ فاتح الوقتی کامیاب ہوئی اور نتیجہ میں معاویہ کی یہ کاوش بے سود ثابت ہوئی اس لیے کہ آخر تک سوائے عبداللہ بن عمر کے جو ایک کم زور دل اور عقیدہ کے شخص تھے ان اشخاص میں سے کسی نے بیعت کی ہامی نہیں بھری (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۱۷۱)

امیر معاویہ اپنی زندگی کے دن پورے کر چکے اور ۷۵ و ۸۰ کے درمیانی عمر میں رجب ۶۰ھ ہجری میں رحلت کر گئے۔ یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور تمام اہل شام نے بیعت کی۔ دنیا تمام زیب و زینت کے ساتھ .... یزید کے سامنے موجود تھی اور تاج و تخت، مال و دولت، حشم و خدم اور عیش پرستی و شہوت رانی کے تمام ذرائع اور اسباب پوری فراوانی کے ساتھ مہیا، لیکن ایک خیال تھا جو اس کے دل و دماغ کو پریشان کیے ہوئے اس کی نظروں میں اس تمام جاہ و حشم کو خاک سیاہ بنائے ہوئے تھا، اور وہ ان چند آدمیوں کا بیعت سے انکار جن میں اول درجہ کی شخصیت حسینؑ بن علیؑ کی تھی۔ اس نے تختِ سلطنت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام جو انجام دیا وہ یہی کہ اپنے چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو جو مروان کی معزولی کے بعد اس زمانہ میں مدینہ کا حاکم تھا، خط لکھا:

"من یزید امیر المومنین الی الولید بن عتبۃ امّا بعد
فان معاویۃ کان عبداً من عباد اللہ اکرمہ اللہ واستخلفہ
وخوّلہ ومکّن لہ فعاش بقدر ومات باجل فرحمہ اللہ
فقد عاش محموداً ومات برّاً تقیاً والسلام"

خط کا مضمون ختم ہوگیا اور اس میں سوا۔ معاویہ کے انتقال کی خبر کے کچھ نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ایک چھوٹا پرزہ کاغذ کا اور تھا جس پر یہ تحریر تھا:

"امّا بعد فخذ حسینا و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن
زبیر بالبیعۃ اخذا شدیدا لیست فیہ رخصۃ حتیٰ یبایعوا
والسلام۔"

"دیکھو حسینؓ اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر کو بیعت پر بہت
سختی سے مجبور کرنا اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کرلیں دم نہ لینا۔"

ولید ابوسفیان کا پوتا اور معاویہ کا بھتیجا سہی لیکن کم زور دل کا شخص تھا اور حسینؓ کی عظمت و شخصیت کا اثر ایک حد تک اُس پر قائم تھا، اس میں اتنی سفاکی اور ستم کیشی بھی نہ تھی کہ ایک بے گناہ کا خون بہاتے ہوئے اس کو لذت محسوس ہو، یزید کے فرمانِ شاہی نے اُس کے باطنی جذبات میں ایک عظیم تلاطم پیدا کر دیا اور وہ اس شش و پنج میں تھا کہ یزید کے اس حکم کو کس طرح انجام دیا جائے۔

بے شک ننگِ اسلام لیکن ساتواں خلیفۂ مسلمین مروان بن حکم جو ابتدا ہی میں رسولِ اللہؐ کی بارگاہ سے "ملعون بن ملعون" کا لقب پاچکا تھا[1] اس نے یہی مشورہ دیا کہ حسینؓ سے بیعت طلب کرو اور اگر وہ بیعت نہ کریں تو ان کا سر قلم کرکے یزید کے پاس بھیجو۔ ولید اپنی ذاتی صلح پسندی کے باعث اس کا مشورہ قبول کرنے سے مجبور رہا لیکن حسینؓ بن علیؓ کو بلا کر یزید کا پیغام پہنچا دینے میں اُس نے کوتاہی نہیں کی، اور اگر حسینؓ عاقبت اندیشی کرکے غیر معلوم طریقہ پر مدینۂ رسولؐ کو خالی نہ کر دیتے

---

[1] حیوٰۃ الحیوان دمیری جلد ا صفحہ ۵ بحوالہ مستدرک حاکم

تو یا ولید بھی عمر سعد کی طرح باوجود ذاتی کراہت کے مالی وجاہِ دُنیا کی طمع اور سطوت حکومت کے خوف میں اقدام کرتا اور یا کوفے کے نعمان بن بشیر کی طرح اُس کو معزول کر کے مروان بن الحکم یا اُس کے ایسے کسی سفّاک اور سخت ترین دشمن اہل بیت کو مدینہ کا حاکم مقرر کر کے فرزند رسولؐ کے خون سے مدینۂ رسولؐ کی زمین کو گلُ رنگ بنایا جاتا (مذکورۂ بالا واقعات کی تصدیق کے لیے ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ صفحہ ۱۸۸۔۲۰۶)

فرزند رسولؐ مکہ معظمہ پہنچے اور کچھ روز قیام کرنے کے بعد حضرت مسلمؑ کو حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کوفے روانہ کیا۔ کوفے کی خلقت یزید کے افعال و کردار سے واقفیت کے باعث اُس کی خلافت سے بیزار تھی اس لیے مسلم کا خوش گوار طریقہ پر استقبال کیا۔ نعمان بن بشیر انصاری جو اس وقت کوفے کا حاکم تھا وہ صلح پسند، بے شر آدمی تھا اور اُس نے مسلم سے بغیر معقول سبب کے کوئی تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا۔

مخبروں نے خلیفۂ وقت یزید کو اطلاع دی کہ مسلم بن عقیل کوفے میں ہیں اور یہاں کے لوگوں نے حسینؑ بن علیؑ کی بیعت کی ہے۔ نعمان بن بشیر فطرۃً کمزور شخص ہے یا کسی وجہ سے کمزوری کر رہا ہے، اگر آپ کو کوفے کی حفاظت کرنا ہے تو ایک مضبوط آدمی یہاں مقرر کیجیے جو آپ کے حکم پر کامل طور سے عمل کرے۔

یزید نے سرجون، معاویہ کے راز دار غلام، کو بلا کر مشورہ کیا۔ اُس نے معاویہ کا فرمان نکال کر دکھایا جو اُنھوں نے آخر وقت عبید اللہ بن زیاد کے نام کوفے کی حکومت کے بارے میں لکھا تھا۔ یزید نوجوان باپ کی اس پیش بندی کو

دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور فوراً ابن زیاد کے نام جو اس وقت بصرہ کا حاکم تھا خط لکھا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے مسلم بن عقیلؑ کوفے میں آکر وہاں کے لوگوں کو مجھ سے منحرف کر رہے ہیں اس تحریر کو دیکھتے ہی تم کوفے کی جانب روانہ ہو جاؤ اور جس طرح ممکن ہو مسلمؑ پر قابو پا کے اُن کو سزا دو (طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۹ - ۲۰۰)

گوناگوں واقعات کے بعد فرزند رسولؐ دوسری محرم ۶۱ ہجری کو اپنی آخری منزل پر پہنچے اور ابن زیاد کی جانب سے عمر سعد حضرت کے قتل پر مامور ہو کر کربلا آیا اور جگر گوشۂ رسولؐ کا خون آشام دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ عمر سعد کے ابتدائی و انتہائی واقعات کے مطالعہ سے صاف نظر آتا ہے کہ اس عظیم جرم کے ارتکاب میں ہر موقع پر اُس کا ضمیر سختی کے ساتھ ٹوک رہا تھا اور آواز دیتا تھا کہ ظالم کیا کر رہا ہے جس کو سُن کر وہ ٹھٹک جاتا تھا، لیکن طمع دُنیا پھر غلبہ حاصل کر کے اُس کا قدم آگے بڑھا دیتی تھی۔ وہ ایسے مواقع ڈھونڈھتا تھا کہ کسی طرح وہ اپنے دنیاوی مفاد کی حفاظت کرتے ہوئے اس جرم کے ارتکاب سے محفوظ رہے۔ اسی بنا پر کربلا پہنچنے کے بعد اُس نے امام حسین علیہ السلام سے سلسلۂ مراسلت و مکالمہ جاری کیا اور ابن زیاد کو لکھا کہ میں نے حسینؑ سے بات چیت کر کے اُن کا منشا معلوم کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھ کو اہل کوفہ نے دعوت دی تھی اس لیے میں یہاں آیا، اب اگر وہ لوگ اپنی بات پر قائم نہیں ہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس جاتا ہوں۔

اس خط کا جو جواب ابن زیاد نے دیا وہ یہ ہے:۔

"اما بعد فقد بلغنی کتابک و فہمت ما ذکرت فاعرض علی الحسین ان یبایع لیزید بن معاویۃ ھو و

جمیع اصحابہ فاذا فعل ذالک رأینا رأینا والسّلام۔"

یعنی خط پہنچا اور حال معلوم ہوا، تم حسینؓ سے یہ مطالبہ کرو کہ وہ اپنے تمام اصحاب سمیت یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں، اس کے بعد ہم صورتِ حال پر غور کریں گے۔"

عمر بن سعد حسینؓ کے استقلال اور ثباتِ قدم سے خوب واقف تھا، اور جانتا تھا کہ جو کچھ بھی ہو جائے وہ یزید ایسے شراب خوار و فاسق کی بیعت نہ کریں گے، جس کی بناء پر اُس نے خط کے پڑھتے ہی کہا:

"قد حسبت ان لا یقبل ابن زیاد العافیۃ۔"

اب میں سمجھا کہ ابن زیاد کوئی سمجھوتا نہیں چاہتا (طبری جلد ۶ ص ۲۳۴)

عمر سعد کا خیال صحیح تھا حسینؓ ایسے کمزور، متلون مزاج، غیر ثابت قدم نہ تھے کہ کسی بڑے خطرے سے سہم کر اپنے اصول سے ہٹ جائیں۔ انھوں نے جو کہا تھا وہی کیا دُنیا نے دیکھ لیا کہ مصائب کے ہمت شکن پہاڑ ان کے ثباتِ قدم اور کوہ گراں استقلال کے سامنے سبک نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے یزید کی بیعت نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دسویں محرم کی عصر کو زمین کربلا بنی فاطمہؑ کے خون سے رنگین تھی اور شہدائے حق کے بے سر لاشے زمین و آسمان سے اُن کی جاں بازی کا مرثیہ پڑھوا رہے تھے۔

ابتدا، انتہا، وسط کے واقعات کو تاریخ کے طول وطویل اوراق میں سے منتخب کر کے حسبِ موقع ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ

(۱) حسینؓ بن علیؑ کا مدینے سے مہاجرت کرنا کس سبب سے تھا؟

(۲) کوفے میں عبیداللہ بن زیاد کی حکومت کس غرض کے لیے تھی ؟

(۳) حسینؓ بن علیؓ سے ابن زیاد کے خط کی بنا پر آخری مطالبہ کیا تھا، جس کے نہ منظور کرنے کا نتیجہ قتلِ حسینؓ کی صورت میں ظاہر ہوا ؟

جواب ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت اور اس کے تسلیم کرنے کا مطالبہ ہی وہ تھا جو قتل حسینؓ کا سبب تھا اور اسی مطالبہ کا منظور نہ کرنا اس عظیم شہادت کا باعث ہوا۔

یزید نے بھی خود اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ اس وقت جب مخدرات خاندانِ رسالت امام زین العابدینؓ کے ساتھ یزید کے دربار میں لائے گئے۔ یزید نے امام زین العابدینؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یا علیؓ ابوك الذی قطع رحمی وجهل حقی ونازعنی سلطانی فصنع اللہ به ما قد رأیت۔"

اے علیؓ بن الحسینؓ تمھارے باپ نے میری قرابت داری کا لحاظ اور میرے حق کا پاس نہ کیا اور میری حکومت سے اختلاف کیا جس کا نتیجہ تم دیکھ رہے ہو۔ (طبری ص۲۶۵)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ قتل حسینؓ کا سبب یزید کی خلافت سے اختلاف تھا اور یہی وہ بنیادی سبب کی بنا پر قاتلانِ حسینؓ نے اس عظیم قتل کا ارتکاب کیا۔

اب رہی دوسری تنقیح کہ یزید کی خلافت کس فرقے کے مذہبی تعلیمات کی رو سے صحیح اور اس کی حمایت حق بجانب ہو سکتی ہے ؟

یہ امر کچھ زیادہ توضیح کا محتاج نہیں کہ شیعوں کے مذہبی اصول میں یزید بلکہ اس سے

بڑھے چڑھے افراد کی خلافت کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ انھوں نے تو سرے سے اس سلسلہ ہی سے اظہار برأت کیا ہے جس کی پانچویں یا چھٹی کڑی میں یزید کی امامت و خلافت کو تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

رہ گئے اہل سنت مجھ کو ان کے مذہب پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن امام اہلسنت حافظ شام جلال الدین سیوطی جو علمائے اسلام میں ایک نمایاں فرد اور ذمہ دار شخص کہے جا سکتے ہیں، انھوں نے اپنی تاریخ الخلفاء میں اس مطلب کو بالکل صاف کر دیا ہے جس کے بعد شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پہلے وہ کتاب کے دیباچہ میں سبب تالیف لکھتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"ھذا تاریخ لطیف ترجمت فیہ الخلفاء امراء المومنین القائمین بامر الامۃ من عھد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ الی عھدنا ھذا علی ترتیب زمانھم"

"اس پرلطف تاریخ میں میں نے حالات لکھے ہیں خلفا کے جو امیر المومنین تھے اور امت اسلامیہ کی ریاست کے مالک تھے ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے لے کر اپنے عہد تک اُن کے زمانۂ خلافت کی ترتیب کے مطابق"

ان ہی الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جن اشخاص کے حالات لکھنا چاہتے ہیں اُن میں سے ہر ایک کو امیر المومنین کہنے کے لیے تیار ہیں اور اُن کی خلافت اُن کے نزدیک صحیح و مسلم تھی، لیکن اس کے بعد نقطۂ نظر پر پوری روشنی پڑتی ہے جب کہ وہ مصر کے خلفائے بنی فاطمہ کے حالات کو اس کتاب میں ترک کرنے کی وجہ بیان کرتے ہیں :

"لم اورد احداً من الخلفاء العبیدیین لان امامتھم

غیر صحیحۃ الامور۔

"میں نے اس کتاب میں خلفاء عبیدیین میں سے کسی کا تذکرہ نہیں کیا ہے اس لیے کہ اُن کی امامت دخلافت متعدد وجوہ سے صحیح نہ تھی پہلے یہ کہ وہ قرشی نہ تھے ان کو ناواقف عوام فاطمی النسل سمجھنے لگے ورنہ حقیقۃً اُن کا مورثِ اعلیٰ ایک مجوسی شخص تھا۔"

(معلوم ہونا چاہیے کہ تاریخ نے ان ریشہ دوانیوں کو جو خلیفہ عباسی کی طرف سے سلاطین بنی فاطمہؑ کے خلاف اُن کے نسب میں قدح کے متعلق کی گئی تھیں اور جن صورتوں سے بجبر وقہر اس محضر پر دستخط لیے گئے تھے ہمارے سامنے پیش کرکے علامہ سیوطی کے اس عذر کو غیر وقیع بنا دیا ہے۔

"دوسرے یہ کہ اکثر ان میں سے بدعقیدہ کفر و زندقہ کی طرف مائل اور اسلام سے خارج تھے اور اُن میں سے بعض نے انبیاء کی شان میں گستاخیاں کیں اور بعض نے شراب کو مباح سمجھا اور بعض نے خود اپنے لیے سجدہ کا حکم دیا اور جو اُن میں ان تمام عیوب سے پاک ڈھونڈھا جائے اس میں بھی یہ ضرور ہے کہ وہ کٹر رافضی ہے کہ جو سبِّ صحابہ کا حکم دیتا ہے۔

ومثل ھؤلاء لا تنعقد لھم بیعۃ ولا تصح لھم امامۃ

اور جو ایسے اشخاص ہوں ان کی بیعت درست نہیں ہوسکتی، اور نہ امامت اُن کی صحیح ہے۔"

میں حافظ سیوطی سے محاسبہ نہیں کرنا چاہتا نہ اس کی تحقیق کروں گا کہ مذکورہ بالا الزامات صحیح ہیں یا نہیں۔ نہ یہ دریافت کروں گا کہ کیا خلفاء بنی اُمیہ و عباس

میں ایسے افراد نہ تھے جن سے کفر و زندقہ کا ظہور ہوا اور جو شراب و لواطہ جیسے معاصی کو جائز سمجھے، اور نہ اس سوال کی زحمت دوں گا کہ کیا ان میں سبِّ صحابہ کی نظیریں نہیں پائی جاتیں، اس لیے کہ میں اگر ایسا کروں تو مناظرہ کی ایک وسیع وادی میں میرا قدم پڑ جائے گا اور میں نے مناظرہ کے لیے قلم نہیں اٹھایا ہے۔ میں تو صرف ایک واقعہ نگار کی حیثیت سے تاریخی حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مگر حافظ سیوطی کی اس معذرت میں یہ امر بالکل صاف ہو گیا کہ کتاب میں جن اشخاص کا تذکرہ ہے وہ ایسے ہی ہیں جن کی بیعت قواعد کے مطابق اور جن کی امامت و خلافت صحیح و جائز طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

اس کے بعد جب ہم اس تاریخ الخلفا کی سیر کرتے ہوئے صفحہ ۲۰۵ پر پہنچتے ہیں تو جلی حرفوں میں یہ سرخی نظر آتی ہے "یزید بن معاویۃ ابو خالد الاموی" جس کے ذیل میں مستقل طور پر یزید کے حالات درج کیے گئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یزید کی بیعت صحیح و درست اور امامت و خلافت اس کی جائز اور قابل تسلیم تھی۔

اور صفحہ ۹ میں جناب رسالت مآبؐ کی حدیث لایزال ھذا الدین قائما حتیٰ یکون علیھم اثنا عشر خلیفۃ کی تشریح میں خلفاء کی فہرست لکھتے ہوئے جو اسماء درج کیے ہیں وہ بھی یوں ہیں:

"ان الناس اجتمعوا علی ابی بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی الی ان وقع امر الحکمین فی صفین فتسمّیٰ معاویۃ یومئذٍ بالخلافۃ ثم اجتمع الناس علی معاویۃ عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولدہ یزید ولم ینتظم للحسین امر بل قتل

قبل ذلک۔

"خلافت کی ترتیب یوں ہے کہ لوگوں نے ابوبکر پر اجماع کیا (تو وہ پہلے خلیفہ ہوئے) پھر عمر، پھر عثمان، پھر علی، یہاں تک کہ تحکیم کا مسئلہ پیش آیا، اس وقت معاویہ نے خلافت کا ادعا کر لیا لیکن لوگوں کا اجماع اُن کی خلافت پر حسنؓ کی صلح کے موقع پر ہوا اور اس کے بعد یزید کی خلافت پر اجماع ہوا، حسینؓ کے لیے امامت حاصل نہ ہو سکی بلکہ وہ اس کے قبل ہی قتل ہو گئے (لہذا انھیں خلفا میں شمار نہیں کیا جا سکتا)"۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کا قول بھی شرح صحیح بخاری میں حدیث مذکور کی شرح میں یوں ہی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ یزید کی خلافت صحیح و جائز اور حق بجانب تھی اور ان دونوں ذمہ دار حفاظ و امامانِ اہلسنت کی تحریر کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اسی یزید کی خلافت تسلیم کرنے کے لیے حسینؓ بن علیؓ کو قتل کیا گیا جس کے بعد قدرۃً یہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ اُس مذہب کے ماننے والے تھے جس میں یزید کی خلافت صحیح و جائز ہے اور اُن کو شیعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

قاتلانِ حسینؑ کے مذہب کے تاریخی شواہد و نصوص

تاریخی اوراق اُن نصوص و شواہد سے چھلک رہے ہیں جن سے قاتلانِ حسینؑ کا مذہب بے پردہ ہو کر سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس اجماع سے علیحدہ نہ تھے جو کثرت کی صورت میں ہمیشہ سے سوادِ اعظم کا مصداق بنا رہا ہے۔ تفصیل کے لیے ایک

طویل وقت و فرصت کی ضرورت ہے۔ لیکن بغیر کسی مخصوص تتبع اور سیر کتب کے جو نظر پیش نظر ہیں اُن ہی کو قلم برداشتہ فہرست کے طور پر درج کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔

(۱)

وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل کوفہ میں آکر فرزند رسولؐ کی بیعت لے رہے ہیں اور بنی اُمیّہ کے مظالم سے گھبرائی ہوئی خلقت اس موقع کو غنیمت جان کر ٹوٹ پڑی ہے اور نعمان بن بشیر جو کوفہ کا حاکم تھا اپنی فطری صلح پسندی کے باعث طرح دے رہا ہے، عین، اُسی موقع پر ایک خط جاتا ہے کوفے سے یزید کے پاس جس کی عبارت یہ ہے:۔

"امّا بعد فان مسلم بن عقیل قد قدم الکوفۃ فبایعہ الشیعۃ للحسین بن علی فان کان لک بالکوفۃ حاجۃ فابعث الیھا رجلا قویا ینفذ امرک و یعمل مثل عملک فی عدوک فان النعمان بن بشیر رجل ضعیف او ھو یتضعف"

مسلم بن عقیل کوفہ آئے ہیں اور شیعوں نے ان کے ہاتھ پر حسینؑ بن علیؑ کی بیعت کی ہے، اگر آپ کو کوفے میں اپنی سلطنت قائم رکھنا ہے تو ایک طاقت دار شخص کو یہاں مقرر کیجیے جو آپکے حکم کو نافذ کرے اور دشمن کے ساتھ وہ سلوک کرے جو آپ خود اگر ہوتے تو کرتے، اس لیے کہ نعمان بن بشیر (جو کوفے کا حاکم ہے) وہ فطرۃً کم زور ہے یا کسی وجہ سے کم زوری کر رہا ہے۔"

اس مضمون کے لکھنے والے تین آدمی ہیں (۱) عبداللہ بن مسلم بن سعید حضرمی حلیف بنی اُمیّہ (۲) عمارۃ بن عقبہ (۳) عمر بن سعد بن ابی وقاص۔ یزید نے اس خط کو دیکھ کر اُن واقعات کے بعد جو سابق میں گزر چکے ہیں جو فرمان ابن زیاد کے نام

لکھا اس کی عبارت قابل دید ہے :

"امّا بعد فانہ کتب الیّ شیعتی من اھل الکوفۃ یخبرونی ان ابن عقیل بالکوفۃ یجمع الجموع لشق عصا المسلمین فسر حین تقرأ الخ"

"میرے پاس میرے شیعوں نے جو کوفہ کے رہنے والے ہیں یہ لکھا ہے کہ ابن عقیل کوفہ میں جتھے جمع کر کے مسلمانوں کی موجودہ بنی بنائی بات کو بگاڑنا چاہتے ہیں لہذا تم فوراً وہاں جاؤ اور مسلم پر قابو حاصل کر کے سزا دو۔"

(طبری جلد ۶ صفحہ ۱۹۹ - ۲۰۰)

محترم ناظرین ! پہچان تو لیا ہوگا یہ عمر سعد کون ہے جو اس خط کے لکھنے والوں میں ہے ؟ بے شک یہ وہی سپہ سالار ہے جو حسینؓ بن علیؓ کے قتل کے لیے بھیجا گیا تھا جس نے سب سے پہلا تیر لشکر حسینؓ کی طرف رہا کیا تھا۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۴۵)

اس کی یہ لفظیں کہ "بایعتہ الشیعۃ للحسین" شیعہ جماعت نے مسلم کے ہاتھ پر حسینؓ کی بیعت کر لی ہے۔" صاف بتلاتی ہیں کہ اس شخص کو جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور پھر یزید کی یہ تحریر کہ "کتب الیّ شیعتی من اھل الکوفۃ مجھ کو میرے شیعوں نے کوفہ سے لکھا ہے" بتلا رہی ہیں کہ یہ شخص یزید کا شیعہ اور اس کی خلافت کو تسلیم کرنے والی جماعت سے تھا۔ اب اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کا تعلق کس فرقہ کے ساتھ ہو سکتا ہے ؟

(۲)

حسینؓ بن علیؓ مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور حصین بن تمیم

کے حکم سے جو قادسیہ میں ناکہ بندی کے لیے مقرر تھا حُر بن یزید ریاحی ایک ہزار فوج کے ساتھ سدِّ راہ ہونے کے لیے آگیا ہے اور وہ حضرت کے ساتھ ساتھ ہے کہ حضرتؑ کو مدینۂ رسولؐ واپس نہ جانے دے اور چلتے چلتے یہ قافلہ نینوا پہنچا۔ اسی وقت ایک مسلح ناقہ سوار کوفے کی طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا جس کا دونوں طرف کے لوگ بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ جب وہ قریب پہنچا تو اس نے حُر اور اصحاب حُر کو تو سلام کیا لیکن حسینؑ بن علیؑ اور اُن کے اصحاب کو سلام نہیں کیا۔ وہ ابن زیاد کا خط لایا تھا حُر کے نام جس میں لکھا تھا کہ "میرا خط پہنچتے ہی حسینؑ کے ساتھ سختی شروع کر دینا اور اُن کی ایسی جگہ اُترنے دینا جہاں اُن کے لیے کوئی محفوظ جائے پناہ نہ ہو اور نہ پانی ہی نزدیک موجود ہو۔"

امام حسینؑ کے ساتھیوں میں سے یزید بن زیاد بن مہاصر ابوالشعثاء کندی نے خط لانے والے کو پہچانا اور پکار کر کہا کہ

"کیا مالک بن نسیر بدی ہے؟"

اُس نے کہا "ہاں! میں وہی ہوں۔"

ابوالشعثا نے کہا "ثکلتک امک ماذا جئت فیہ" خدا تجھے غارت کرے، یہ تو کس کام کے لیے آیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا "وما جئت فیہ اطعت امامی ووفیت بیعتی میں اور کس کام کو آیا ہوں؟ میں نے اپنے امام کی اطاعت اور بیعت کو پورا کیا۔"

ابوالشعثا نے کہا:

"عصیت ربک واطعت امامک فی ھلاک نفسک کسبت العار والنار قال اللّٰہ عز وجل وجعلنا منھم ائمۃ

یدعون الی النار ویوم القیٰمۃ لاینصرون فھو امامك۔"

تو نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور اپنے امام کی اطاعت کرکے اپنی ہلاکت کا سامان کیا، تو نے دنیا کی فضیحت اور عذابِ آخرت دونوں کو مول لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایسے امام بھی ہیں جو لوگوں کو آتشِ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور روزِ قیامت اُن کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اِن معنوں سے بے شک وہ تیرا امام ہے۔ (طبری جلد ۷ صفحہ ۲۳۲)

یہ مالک بن نسیر بدی کون ہے؟ یہ وہی ہے کہ روزِ عاشور جب فرزندِ رسولؐ زخموں سے چور ہو کر زمین پر تشریف لا چکے تھے تو وہ شقی آیا اور حضرت کے سرِ اقدس پر تلوار لگائی جو عمامے کو کاٹ کر سر میں اُتری اور تمام عمامہ خون سے تر ہو گیا۔ طبری میں اس واقعہ کا تذکرہ حسبِ ذیل عبارت میں ہے:۔

"مکث الحسین طویلاً من النھار کلما انتھی الیہ رجل من الناس انصرف عنہ وکرہ ان یتولّٰی قتلہ وعظیم اثمہ علیہ قال وان رجلاً من کندۃ یقال لہ مالك بن النسیر من بنی بداء اتاہ فضرب علی راسہ بالسیف وعلیہ برنس لہ فقطع البرنس واصاب السیف راسہ فادمی راسہ فامتلأ البرنس دما فقال لہ الحسین لا اکلت بھا ولا شربت وحشرك اللہ مع الظالمین (جلد ۶ صفحہ ۲۵۷)"

اُس کا یہ کہنا کہ اطعت امامی ووفیت ببیعتی صاف بتلاتا ہے کہ وہ یزید کو

امام وقت سمجھتے ہوئے اس کی بیعت کا پابند تھا اور یہ شیعہ مذہب سے اس کی بے تعلقی اور دوسری جماعت سے وابستگی کی بہترین دستاویز ہے۔

اُس کے مقابلے میں ابوالشعثاء کا یہ جواب کہ وہ اُن ائمہ میں سے ہے جو نارِ جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں عقیدۂ تشیع کا پورا مظاہرہ ہے اور اس مقابلہ سے ظاہر ہے کہ کون جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

(۳)

فرزند رسولؐ کربلا میں پہنچے اور دشمنوں نے محاصرہ کر لیا۔ ساتویں تاریخ قاصد آتا ہے اور ابن زیاد کی طرف سے عمر سعد کو یہ خط دیتا ہے:۔

"امّا بعد فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا منہ قطرۃ کما صنع بالتقی الزکی المظلوم امیرالمومنین عثمان بن عفان۔"

حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے سامنے پانی کی طرف سدّ راہ ہو جاؤ اور اُن کو ایک قطرہ چکھنے کو بھی نہ ملنے پائے جیسا کہ تقی، زکی، مظلوم عثمان بن عفان کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۴)

ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری متوفی ۲۸۱ھ نے بھی اپنی کتاب الاخبار الطوال طبع مصر صفحہ ۲۵۲ میں اس خط کو حسب ذیل لفظوں میں نقل کیا ہے:۔

"امنع الحسین واصحابہ الماء فلا یذوقوا منہ حسوۃ کما فعلوا بالتقی عثمان بن عفان۔"

کہاں ہیں قاتلانِ حسینؓ کو شیعہ کہنے والے، آئیں! اور آنکھیں کھول کر دینے
امام اور حافظ محمد بن جریر طبری کی تحریر پر نظر ڈالیں اور پھر بتلائیں کہ قاتلانِ حسینؓ
کا مذہب کیا تھا؟ حضرت عثمان کی مظلومیت کا مرثیہ خواں کون ہو سکتا ہے؟
حضرت عثمان کو امیر المومنین کون کہتا ہے؟ حضرت عثمان کے خون کا بدلا لینے کا
حق کس کو پہنچتا ہے؟
کیا شیعہ ان ہی عقائد کے رکھنے والوں کا نام ہے؟

(۴)

۹ محرم کی شام اور عمر سعد کا اپنے لشکر کو حکم دینا کہ فوجِ حسینی پر حملہ کر دو، اور
سید الشہداء کا حضرت عباسؓ کو حکم دینا کہ وہ فوج کے سامنے جا کر اُن کا مقصد
معلوم کریں۔ وہ وقت تھا کہ حضرت عباسؓ بیس سواروں کی جمعیت میں دشمن
کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے گئے، اور دریافت کیا کہ یہ بے وقت کی پیش قدمی
کیسی؟ جواب ملا "امیر کا حکم ہے کہ یا تم لوگ اطاعت قبول کرو یا فیصلہ کن جنگ
ہو جائے"۔ جناب عباسؓ یہ کہہ کر کہ میں امام حسینؓ سے جا کر عرض کرتا ہوں، وہاں سے
ہٹے اور وہ جماعت کہ جو آپ کے ساتھ تھی وہیں کھڑی رہی۔ حبیب بن مظاہر نے اس
موقع کو غنیمت جانا اور چاہا کہ فریقِ مقابل کے سامنے تبلیغ و موعظہ کے فرض کو انجام
دیں، اور یوں تقریر شروع کی:—

"یاد رہے، خدا کی قسم، بدترین قوم وہ ہوگی جو روزِ قیامت خدا کا
سامنا کرے گی اس حالت میں کہ اُس نے نبیؐ کی ذریت کو قتل کیا ہوگا

اور اُن کی عترت کا خون بہایا ہوگا، اور اُن کے ساتھ اُن عابد و زاہد خدا کے بندوں کو جو پچھلے پہر عبادت خدا کرتے اور جن کی زبانیں ذکر الٰہی سے متحرک رہتی ہیں بے گناہ قتل کیا ہوگا۔"

عزرہ بن قیس احمسی نے جو فوج مخالف میں تھا مذاق کے طور پر کہا:

"حبیب جہاں تک ہوتا ہے تم اپنی تعریف ضرور کرتے ہو کہ میں بڑا عابد و تہجد گزار ہوں۔"

زہیر بن قین نے پکار کر کہا:

"عزرہ اس میں حسد بے کار ہے۔ خدا ہی نے ان کے نفس کو آراستہ کیا ہے اور اُس کو راہ راست کی طرف ہدایت کی ہو۔ عزرہ میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے خوف کرو، اور خدا کا واسطہ تم اس جماعت میں نہ رہو کہ جو گم راہ ہو کر بے گناہ نفوس کے قتل کا ارتکاب کر رہی ہے۔"

عزرہ بن قیس یہ سُن کر زہیر کی طرف مڑ گیا اور کہا:

"یا زهیر ما کنت عندنا من شیعة اهل هذا البیت انما کنت عثمانیا۔

اہا! زہیر تم ہو! تم تو میری دانست میں اس خاندان کے شیعوں میں سے نہ تھے بلکہ عثمانی مذہب رکھتے تھے۔

زہیر نے کہا:—

"افلا تستدل بموقفی هذا انی منهم الخ"

اچھا اب تو میرے یہاں ہونے سے تم سمجھے کہ میں شیعیان اہل بیت میں سے

ہوں۔ یاد رکھو کہ میں نے امام حسینؑ کو نہ کبھی کوئی خط بھیجا تھا، نہ کوئی قاصد روانہ کیا تھا اور نہ کبھی نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن راستے میں اتفاق سے مجھ سے اُن سے ملاقات ہو گئی، اُس وقت مجھے رسالت مآبؐ کا اور اُس تعلق کا جو اُن کو حضرت رسولؐ سے ہے خیال آ گیا اور مجھ کو معلوم ہوا وہ اپنی دشمن جماعت یعنی تمہارے گروہ کی طرف جا رہے ہیں، اُس وقت میں نے دل پر ٹھان لی کہ ان کی مدد کروں اور ان کے انصار میں داخل ہو کر اپنی جان کو اُن پر سے فدا کروں خدا اور رسولؐ کے اُن حقوق کی نگہداشت کے لیے جنھیں تم نے ضائع و برباد کر دیا ہے (طبری جلد ۶ ص ۲۲۷)

"تم تو شیعہ جماعت سے نہ تھے بلکہ عثمان کے ماننے والوں میں سے تھے" صریحی دلیل ہے کہ یہ طے شدہ امر تھا کہ اس وقت جو حسینؑ کا ساتھ دے وہ شیعہ جماعت ہے اور وہ لوگ جو اُن کے مقابل میں تلواریں کھینچے ہوئے ہیں عثمانی المسلک اور مخالفِ تشیع ہیں اور زہیر کا یہ مقولہ کہ "اب تو میرے یہاں ہونے سے سمجھے کہ میں شیعۂ اہل بیتؑ ہوں" وہ بھی اس کا زبردست مؤید ہے۔

۵

روزِ عاشور جب کہ جنگ چھڑ چکی ہے اور انصار حضرت سید الشہداؑ کی ایک کافی تعداد قتل ہو چکی ہے اُس وقت یزید بن معقل قبیلۂ بنی عمیرہ بن ربیعہ میں سے لشکرِ عمر سعد کی صف سے باہر نکلتا ہے اور بریر بن خضیر کو آواز دے کر کہتا

"کیف تری اللہ صنع بک دیکھتے ہو خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا"

یہ سن کر بُریر نے جو اصحاب حضرتؑ سے تھے جواب دیا:

"صنع اللہ واللہ بی خیرا وصنع اللہ بک شرا میرے ساتھ تو خدا نے اچھا سلوک کیا، بے شک تیری بُری بری درگت لگائی"

یزید نے کہا:

"کذبت وقبل الیوم ماکنت کذابا ھل تذکروانا اماشیک فی بنی لوذان وانت تقول ان عثمان بن عفان کان علی نفسہ مسرفا وان معاویۃ بن ابی سفیان ضال مضل وان امام الھدے والحق علی بن ابیطالب"

تم جھوٹ کہہ رہے ہو اگرچہ اس کے قبل تم کبھی جھوٹ بولتے نہ تھے، اچھا تمھیں یاد ہے جب میں تمہارے ساتھ بنی لوذان کی جماعت میں جا رہا تھا اس وقت تم عثمان کے متعلق کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے یعنی معصیت کار شخص تھے اور معاویہ بن ابی سفیان گم راہ اور دوسروں کو گم راہ کرنے والا ہے اور سچے امام ورہنما اگر ہیں تو وہ صرف علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں"

بُریر نے کہا:

"بے شک میرا مذہب یہی تھا اور اب بھی میں اپنی بات پر قائم ہوں"

یزید بن معقل: "فانی اشھد انک من الضالین میں تو گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہ ہو۔"

بُریر: "اچھا تو یہ تدبیر کرو کہ ہم اور تم مباہلہ کریں اور خدا سے دعا کریں کہ وہ کاذب پر لعنت کرے اور جو باطل پر ہو وہ دوسرے کے ہاتھ سے قتل ہو پھر اس کے بعد میں نکل کر تم سے جنگ کروں۔"

یزید: اچھا یوں ہی سہی۔"

مباہلہ ہوا اور دونوں نے دعا کی کہ بار الٰہا! جو حق پر ہو وہ دوسرے کو قتل کرنے میں کامیاب ہو۔ اس کے بعد آپس میں تلوار چلنے لگی۔ یزید نے ایک وار بریر پر کیا جو اوچھا پڑا اور کوئی صدمہ بریر کو نہ پہنچا۔ بُریر کی جو باری آئی تو ایک تلوار ایسی لگائی جو مغفر کو کاٹتی ہوئی کاسہ سر میں پہنچی اور وہ گھوڑے سے گرا اس طرح کہ تلوار بریر کی اُس کے سر میں قائم تھی اور بُریر نے اطمینان کے ساتھ تلوار کو اُس کے سر سے کھینچا۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۴۷)

اب تو معلوم ہوا کہ انصار حضرت سید الشہداء کا مذہب کیا تھا اور مخالف جماعت کس فرقہ سے تعلق رکھتی تھی؟

مجھ کو یہ دیکھ کر مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اپنی زبان سے نہیں اور نہ اپنا طبع زاد بلکہ وہ ایک مسلم امام فن اور حافظ اہلسنت کی تاریخی شہادت ہے جس کے دیکھنے کے لیے دیدۂ بینا کی ضرورت ہے۔

مباہلہ کا نتیجہ تاریخ کے اندر غیر مبہم لفظوں میں سامنے موجود ہے اور جس بات پر مباہلہ ہوا تھا وہ بھی بغیر کسی گنجلک کے پیش نظر ہے۔ اس سے حق و باطل کا نقشہ بھی بغیر

کسی حجاب کے سامنے آجاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حق کس طرف تھا اور وہ کیوں کر ظاہر ہوا؟

⑥

بُریر لڑ بھڑ کر قتل ہو گئے، اور اُن کا قاتل کعب بن جابر بن عمر و ازدی فتح و ظفر کی مسرت اور جائزہ و انعام کے خوش گوار توقعات کے ساتھ واقعہ کربلا کے بعد اپنے گھر کوفہ واپس گیا، لیکن اس کی بیوی یا بہن نوار بنت جابر نے کہا:

"تو نے فرزند فاطمہؑ زہرا کے قتل میں شرکت کی اور سید القراء (بریرؒ) کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑا غضب کیا، اب میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گی۔"

اس موقع پر کعب بن جابر نے جو اشعار نظم کیے وہ درج ذیل ہیں:

سلی تخبری عنی وانت ذمیمة غداة حسین والرماح شوارع

لوگوں سے دریافت کر تجھے معلوم ہوگا میرا حال حسینؑ والے دن جب کہ نیزے جنگ کے لیے سیدھے ہو چکے تھے۔

الم اٰت اقصی ما کرهت ولم یخل علی غداة الروع ما انا صانع

کیا میں نے بہترین طریقہ پر انجام نہیں دیا اُس امر کو جس کا تجھ کو صدمہ ہے اور یہ کہ عالم جنگ میں اُس کار نمایاں کے انجام دینے میں مجھ سے کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔

معی یزنی لم تخنه کعوبه وابیض مخشوب الغرارین قاطع

میرے پاس ایسا نیزہ تھا جس نے میدان جنگ میں دغا نہیں کی اور

تلوار تھی کہ جس کی دھار تیز اور کاٹ دار تھی۔

فجردته فی عصبة لیس دینهم	بدینی وانی بابن حرب لقانع

میں نے اُس تلوار کو کھینچ لیا ایسی جماعت کے قتل کے لیے کہ جن کا مذہب میرے مذہب سے جُدا گانہ ہے اور میرا دار و مدار تو ابو سفیان کی اولاد پر ہے۔

ولم تر عینی مثلهم فی زمانهم	ولا قبلهم فی الناس اذ انا یافع

اس میں شک نہیں کہ میری آنکھ نے اُن لوگوں کے ایسے لوگ نہ دیکھے تھے نہ اُن کے زمانہ میں اور نہ اُن کے پہلے اُس وقت کہ میری نوجوانی تھی۔

اشد قراعا بالسیوف لدی الوغا	الکل من یحمی الذمار مقادع

جو تمام دُنیا سے زیادہ جنگ کے موقع پر سخت شمشیر زنی کرنے والے ہوں اور بے شک جو اپنی ذمہ داری کی حفاظت کرنے والا ہو گا وہ اسی طرح شمشیر زنی کرے گا۔

وقد صبروا للطعن والضرب حسرا	وقد نازلوا لو ان ذلک نافع

وہ نیزہ و شمشیر کھانے کے لیے زرہیں اُتار اُتار کر مقابلے پر کھڑے رہے اور جنگ بھی خوب کی لیکن (قلت تعداد اور دشمن کی قوت کے سبب سے) اُن کو جنگ سے فائدہ کب پہنچ سکتا تھا۔

فابلغ عبید اللہ اما لقیته	بانی مطیع للخلیفة سامع

کوئی میرا پیغام ابن زیاد سے مل کر پہنچا دے کہ میں بہ جان و دل خلیفہ وقت کا مطیع و تابع فرمان ہوں (طبری جلد ۶ ص ۲۴۷، ۲۴۸)۔

"لیس دینھم بدینی" کا فقرہ بتلا رہا ہے کہ اُس کا مذہب انصار امام حسینؓ کے مذہب کے خلاف ہے اور انصار امام حسینؓ کے مذہب کی تصویر اُس عقیدہ میں صاف نظر آ رہی ہے جس کا مبارزے کے موقع پر بریر نے اعلان کر دیا۔

(۷)

اب اصحاب امام حسینؓ میں سے نافع بن ہلال جملی جنگ کے لیے نکلے اور وہ یوں رجز پڑھ رہے تھے :

" انا الجملی انا علی دین علیؓ " میں قبیلہ بنی جمل میں سے ہوں اور علیؓ کے مذہب پر ہوں "

ایک شخص مقابلہ پر نکلا جس کا نام مزاحم بن حریث تھا اُس نے کہا :

" انا علی دین عثمان ' میں تو عثمان کے مذہب پر ہوں "

نافع نے کہا

" انت علی دین شیطان " یہ کہہ کر حملہ کیا اور اُسے قتل کر ڈالا۔

(طبری ص ۲۴۹)

لے لیجیے ! اب تو تاریخ نے کوئی تسمہ باقی نہیں رکھا۔ طرفین کے مذہب کو اتنی روشنی کے ساتھ پیش کر دیا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

(۸)

عین موقع جنگ پر لشکر عمر سعد میں عمرو بن الحجاج نے کھڑے ہو کر آواز دی :

"یا اھل الکوفۃ الزموا طاعتکم وجماعتکم ولا ترتابوا فی قتل من مرق من الدین وخالف الامام"

اے اہل کوفہ! امیر کی اطاعت اور اپنی متفقہ رائے پر سختی سے قائم رہو اور شک نہ کرو ان لوگوں کے قتل میں جو مذہب سے نکل گئے ہیں اور امام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

امام حسینؓ نے آواز سنی اور فرمایا:

"اے عمرو بن الحجاج تو میری جنگ کے لیے لوگوں کو آمادہ کر رہا ہے؟ کیا ہم مذہب سے نکل گئے اور تم مذہب پر قائم ہو؟ خدا کی قسم جب یہ چند روزہ زندگی ختم ہوگی اور موت کا مزہ چکھو گے اُس وقت معلوم ہوگا کہ کون مذہب سے نکلا تھا اور کون آتش جہنم میں سزا پانے کا مستحق ہے (طبری ص ۲۴۹)

اب کوئی بتلائے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس سے علیحدہ ہونے کا الزام حسینؓ اور اصحاب حسینؓ کو دیا جا رہا ہے اور یزید کی امامت کو تسلیم کرتے ہوئے مخالفت امام کا الزام تاریخ الخلفاء سیوطی کی روشنی میں کس جماعت کی طرف سے عائد کیا جا سکتا ہے؟!!

۹

فرزند رسولؐ شہید ہو چکے اور حرم رسالت کے مخدرات اسیر ہو کر دربار ابن زیاد میں لائے گئے اور ابن زیاد نے اعلان کرایا کہ لوگ مسجد جامع میں مجتمع ہوں۔ اس موقع پر ابن زیاد نے منبر پر جا کر جو تقریر کی ہے اُس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

"الحمد للہ الذی اظہر الحق واھلہ ونصر امیر المومنین

یزید بن معاویۃ وحزبہ وقتل ... ... الحسین بن علی وشیعتہ

"خدا کا شکر جس نے حق اور اہلِ حق کو فتح عنایت کی اور خلیفہ وقت یزید بن معاویہ اور اُن کے گروہ کی مدد فرمائی اور حسینؓ بن علیؓ کو اُن کے شیعوں سمیت قتل کیا (طبری ص۲۶۳)

اس سے بھی صریحاً ظاہر ہے کہ حسینؓ کے ساتھ قتل ہونے والی جماعت شیعہ تھی اور اُن کے قتل کرنے والے اُس جماعت سے تعلق نہ رکھتے تھے بلکہ وہ اُس مذہب کے نام لیوا تھے جسے ابن زیاد حق کہتے ہوئے اُس کی فتح پر شکر ادا کر رہا ہے اور وہ یزید کو امیر المومنین اور خلیفۂ حق سمجھنے والی جماعت میں داخل تھے۔

۱۰

شہدائے راہِ خدا کے سر ابن زیاد کے حکم سے زحر بن قیس کے ساتھ امیر شام یزید بن معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور زحر نے دربار میں آکر فتح و نصرت کی مبارکباد دیتے ہوئے کربلا کے واقعہ کی روداد اپنی غلط بیانی کے ساتھ اس طرح بیان کرنا شروع کی:

"ابشر یا امیر المومنین بفتح اللہ ونصرہ ورد علینا الحسین بن علی ؓ فی ثمانیۃ عشر من اہل بیتہ وستین من شیعتہ فسرنا الیہم فسألناھم ان یستسلموا وینزلوا علی حکم الامیر عبید اللہ بن زیاد او القتال فاختاروا القتال علی الاستسلام فعدونا علیہم مع شروق الشمس فاحطنا بہم من کل ناحیۃ حتی اذا اخذت السیوف ماخذھا من ھام

الغتومرديهم يلوذون منا بالآكام والحفر لواذا كما لاذ الحمائم من صقر فواللہ یا امیر المومنین ما کان الا جزر جزور او نومة قائل حتی اتینا علی آخرهم فهاتیك اجسادهم مجردة وثیابهم مرملة وخدودهم معفرة تصهرهم الشمس وتسفی علیهم الریح زوارهم العقبان والرخم۔

خوش ہو جیے، اے امیر المومنین خدا کی فتح و نصرت سے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حسینؑ بن علیؓ ہمارے سامنے آئے اور اُن کے ساتھ اٹھارہ آدمی اُن کے اہلبیت میں سے تھے اور ساٹھ آدمی اُن کے شیعوں میں سے ہم نے اُن سے مطالبہ کیا کہ یا تو وہ تابع فرمان ہو جائیں اور امیر عبیداللہ بن زیاد کے حکم کو تسلیم کر لیں اور یا جنگ کریں۔ مگر ان لوگوں نے جنگ کو اختیار کیا۔ آفتاب نکلا ہی تھا کہ ہم اُن کی جنگ کے لیے چڑھ دوڑے اور ہر طرف سے اُن کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ جب اُن کے سروں پر ہماری تلواروں نے پورا قابو پا لیا تو اُن کی یہ حالت تھی کہ وہ چاروں طرف بھاگتے پھر رہے تھے۔

(جتنا چاہے ظالم جھوٹ بول لے۔ امیر شام کا دربار ہے اور زبان تیرے دہن میں اور خدا کا ڈر دل میں نہیں)

لیکن کہیں پناہ نہ ملتی تھی اور وہ پہاڑیوں اور گڑھوں میں چھپتے پھر رہے تھے اسی طرح جیسے کبوتر باز شکاری سے چھپتے پھرتے ہیں۔ خدا کی قسم، اے

امیر المومنین! بس اتنی دیر لگی تھی کہ جیسے قصاب گوسفند کو ذبح کرے یا دوپہر کو کسی کی آنکھ لگ کر کھل جائے کہ ہم نے اُن کی پوری جماعت کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اب یہ منظر آنکھوں کے سامنے ہے کہ اُن کے جسم برہنہ پڑے ہیں اور اُن کے کپڑے خاک میں اَٹے اور اُن کے رخسار مٹی میں بھرے ہیں، آفتاب پوری تمازت کے ساتھ اُن پر چمک رہا ہے اور ہوا کے جھونکے مٹی اُڑا اُڑا کر اُن پر ڈال رہے ہیں اور طائران ہوا اُن کے گرد جمع ہیں۔"

طبری کے راوی کا بیان ہے (اگرچہ ہم کو اُس کا یقین نہیں) کہ اس دل دوز مرقع کا تصور کر کے یزید کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ (ص۲۶۴)

ابو حنیفہ دینوری کی کتاب الاخبار الطوال ص۲۵۷ اور دمیری کی کتاب حیوۃ الحیوان جلد ا ص۳۵ میں بھی یہ تقریر موجود ہے لیکن وہاں اس کی شمر بن ذی الجوشن کی طرف نسبت دی گئی ہے جو دُور از قیاس نہیں ہے۔

ہمارا مطلب اس جملہ سے ہے کہ "ستین من شیعتہ" یعنی حسینؑ کے ساتھ اٹھارہ اُن کے اہلبیتؑ اور ساٹھ اُن کے شیعہ تھے۔ اب تو معلوم ہوا کہ حسینؑ کے قدم پر اس ثبات قدم و استقلال کے ساتھ جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے، جاں نثار کرنے والے شیعہ ہی تھے اور وہ کثیر التعداد جماعت جو قتل حسینؑ کے لیے جمع ہوئی تھی شیعیت سے کوئی واسطہ نہ رکھتی تھی۔

(۱۱)

قتل حسینؑ کی خوش خبری ابن زیاد کی طرف سے مختلف اطراف میں بھیجی جا رہی ہے

جن میں سے عبدالملک بن ابی الحارث سلمی قاصد بنا کر مدینے بھیجا گیا کہ وہ عمرو بن سعید بن العاص کو جو اُس موقع پر مدینے کا حاکم تھا اس واقعے کی خبر کرے۔

قاصد پہنچا اور حاکمِ مدینہ کو واقعہ سے مطلع کیا۔ اُس نے کہا کہ اچھا جا کر مدینہ کے گلی کوچوں میں اس کا اعلان کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ عبدالملک ناقل ہے

"فلم اسمع واللہ واعیۃ قط مثل واعیۃ نساء بنی ہاشم فی دورھن علی الحسین"

"میں نے آج تک ایسا کہرام نہیں سُنا تھا جیسا بنی ہاشم کی عورتوں میں گھروں کے اندر حسینؓ پر کہرام برپا ہو گیا تھا"

یہ دیکھ کر عمرو بن سعید ہنسا اور عمرو بن معدی کرب کا یہ شعر مثالاً پڑھا۔

عجت نساء بنی زیاد عجۃ کعجیج نسوتنا غداۃ الارنب

یعنی آج ان عورتوں کو اُسی طرح رونا پڑا ہے جیسے ہماری عورتیں ایک وقت میں رو چکی ہیں۔ پھر کہا کہ ھذہ واعیۃ بواعیۃ عثمان بن عفان یہ کہرام بدلے میں ہے اُس کہرام کے جو عثمان بن عفان کے قتل سے ہوا تھا (طبری صفحہ ۲۶۸)

ہاں بے خبر دُنیا چند دن کے لیے ہنس رہی ہے تو ہنس لے لیکن یاد رکھ کہ اس کا نتیجہ سر پکڑ کر رونے کے سوا کچھ نہیں، عثمان کے خون کا بدلا حسینؓ سے ؟ !

اچھا یوں ہی سہی لیکن یاد رہے کہ عثمان کے بعد اُن کے قاتل پھلے پھولے اور ایک طویل عرصے تک دُنیا میں زندگی بسر کی لیکن حسینؓ کے قاتل چند ہی روز میں اس طرح نیست و نابود ہوں گے کہ اُن کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔

یہ ہیں مسلمہ تاریخی شہادتیں جو قاتلانِ حسینؓ کے مذہب کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ ان کو شیعہ کہنے والے سامنے آئیں اور نکال ڈالیں طبری میں سے ان اوراق کو جو قاتلانِ حسینؓ کو غیر شیعہ بتلا رہے ہیں، اور دریا بُرد کر دیں اُن تاریخوں کو جو اُن کی ہم زبان ہیں۔ اُس وقت بے شک یہ جرأت کرنے کا موقع ہے کہ وہ پھر کہیں "قاتلانِ حسینؓ شیعہ تھے"۔

عام اہل کوفہ کا مذہب

یہ خیال اکثر دماغوں میں گردش کرتا ہے کہ اہل کوفہ عام طور پر شیعہ مذہب رکھتے تھے کیوں کہ وہ جمل و صفین و نہروان میں حضرت علیؓ کے شریک جنگ اور معاون و ہم درد تھے اور اس طرح جو کچھ حضرت علیؓ کو اپنے اصحاب سے تکلیفیں پہنچیں وہ شیعوں کی سیاہ کاریاں ہیں اور حضرت امام حسنؓ کو جو مصائب برداشت کرنا پڑے وہ بھی ان ہی کے ہاتھوں، اور یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے امام حسینؓ کو شہید کیا اور اس کی سند میں حسب ذیل حوالے پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) حضرت مسلم نے جو پیغام امام حسینؓ کے پاس بھیجا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

"لا یغرنک اھل الکوفۃ فانھم اصحاب ابیک الذین یتمنی فراقھم بالموت او القتل"

اہل کوفہ کے فریب میں نہ آئیے کیوں کہ آپ کے والد کے یہ وہی اصحاب ہیں جن سے بذریعہ موت یا قتل وہ جدائی کے متمنی تھے۔"

(۲) خود حضرت نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اگر شما رائے دگرگوں کنید و عہد بشکنید و حمل بیعت از گردن فرو نہید، قسم بجان من کہ از شما شگفت نہ باشد چہ با پدر من علیؑ و برادر من حسنؑ و پسر عم من مسلم جز این نہ کردید۔" (ناسخ التواریخ)

(۳) محمد حنفیہ نے جب مکہ میں امام کو سفر عراق سے منع کرنا چاہا تو کہا:

"اے برادر! جو کچھ غدر و مکر اہلِ کوفہ نے آپ کے پدر و برادر کے ساتھ کیا آپ جانتے ہیں، میں ڈرتا ہوں کہیں آپ سے بھی اسی طرح سلوک کریں۔"

(جلاء العیون)

لیکن مندرجۂ ذیل دو تنقیحوں کے بعد یہ پوری تقریر بادِ ہوا ثابت ہوتی ہے:

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں نے آپ کی رسولؐ کے بعد بہ حیثیت وصیِ برحق و خلیفۂ بلافصل بیعت کی تھی یا پہلے دو کے تیسرے دور کے بعد بہ حیثیت خلیفۂ رابع کے؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفۂ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب اتنا واضح ہے جس کے لیے کسی توضیح کی ضرورت نہیں۔ تاریخی حیثیت سے یہ امر مسلم ہے کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں چوتھے ہی درجہ پر تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھ والے لوگ خواہ کوفہ کے ہوں یا غیر کوفہ کے، اکثر و بیشتر اسی حیثیت سے آپ کی اطاعت کا فرض ادا کر رہے تھے اور یہ امر اصولِ مذاہب کے علم کا بدیہی مسئلہ ہے کہ حضرت امیرؑ کے متعلق چوتھے نمبر پر خلافت کا اقرار شیعی جماعت کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ سوادِ اعظم کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ کو اپنے اصحاب سے شکایتیں پیدا ہوئیں اور افسوس ناک صورتیں پیش آئیں تو اُن کی ذمہ داری شیعی جماعت پر عائد کرنا صریحی ناانصافی ہے درحقیقت اگر علیؓ یا امام حسنؓ کو شیعوں کی جماعت ملتی یعنی وہ کہ جو علیؓ کو اُن کے حقیقی مرتبے کے ساتھ پہچانے ہوئے تھے تو اُن کی جاں نثاری کی صورت ہی مختلف ہوتی۔

اب ہمارے اس بیان کی روشنی میں اگر اُن فقرات کو ایک مرتبہ دوبارہ پڑھیے کہ لا یغررک اہل الکوفۃ فانھم اصحاب ابیک آپ اہلِ کوفہ کے دھوکا نہ کھائیں یہ وہی آپکے والد کے اصحاب ہیں۔ وغیرہ وغیرہ تو نتیجہ بالکل برعکس نظر نظر آئے گا اور معلوم ہوگا کہ کوفے میں اکثریت اُس مذہب کے لوگوں کی تھی جو حضرت کو چوتھے درجے پر مان کر حضرت کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

اب کہنے دیجیے قاضی نور اللہ شوستری کو کہ تشیع اہلِ کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسُنّی بودن کوفی الاصل خلاف اصل ومحتاج بہ دلیل است۔ یہ اُن کا ذاتی خیال ہے اُس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

اور پھر وہ اہلِ کوفہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف پہلو کو محتاج دلیل بتلاتے ہیں اور ہم نے قاتلان حسینؑ کے مذہب پر کافی ادلہ قائم کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اُن کو شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے بعد اصل کی آڑ پکڑنا بالکل بے اصل ہے۔

شیعیانِ کوفہ کی قتلِ حسینؓ سے بے تعلقی

کوفہ میں جماعتِ شیعہ کی تعداد، اہلِ کوفہ کے خطوط اور رائے عامّہ کی نوعیت، حضرت مسلمؓ کی شہادت اور انقلابِ کوفہ کے علل و اسباب، جماعتِ شیعہ کی بے گناہی اور اس پر تاریخی نصوص و شہادات

قتلِ امام حسینؑ کا الزام اس جماعتِ اہلِ کوفہ پر عائد کرنا جو امام حسینؑ کی حقیقۃً بلانے والی تھی اور یہ کہنا کہ وہ شیعہ ہی تھے واقعیت سے کوسوں دور ہے اور اس خیال کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ صحیفۂ تاریخ کا چند ورق پیچھے سے اُلٹ کر مطالعہ کیا جائے۔

شیعہ کہ جنھیں مذہبی حیثیت سے حقیقی معنی میں شیعہ کہا جا سکتا ہے اُن کی تعداد ابتدا ہی سے بہت کم تھی لیکن دوستی اہلبیتؑ کا دم بھرنے والے اور اولادِ ابوسفیان کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کو حق دار خلافت سمجھنے والے جنھیں اس زمانہ میں شیعہ علیؑ اور شیعہ اہلبیتؑ کہا جاتا تھا اُن کی تعداد کافی تھی۔

گزرا ہے ایک وہ زمانہ کہ جب کوفہ شیعیانِ اہلبیتؑ سے چھلکا پڑ رہا تھا لیکن ادھر معاویہ کا ممالکِ اسلامیہ پر تسلط ہوا اور کوفہ پر اپنے نامعلوم باپ کا بیٹا زیاد حاکم مقرر ہوا ادھر شیعیانِ کوفہ پر مظالم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور عراق کی چوڑی چکلی زمین اُن پر تنگ ہو گئی، ان کا ہر نفس آئندہ آنے والے خطرات کی پیشین گوئی کرتا وثانیہ اپنے آخری ہونے کا پیغام سناتا تھا۔

ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اُس زمانے کی مرقع کشی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"کان اشد الناس بلاء حینئذ اهل الکوفة لکثرة من بها من شیعة علی فاستعمل علیهم زیاد بن سمیة وضم الیه البصرة فکان یتتبع الشیعة وهو بهم عارف لانه کان منهم ایام علی فقتلهم تحت کل حجر ومدر واخافهم وقطع الایدی والارجل وسمل العیون وصلبهم علی جذوع النخل وطردهم وشردهم عن العراق فلم یبق بها معروف منهم"

معاویہ کے دورِ حکومت میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مصیبت میں اہلِ کوفہ تھے اس لیے کہ وہاں شیعیانِ علیؑ کثیر تعداد میں موجود تھے، وہاں کا حاکم بھی زیاد بن سمیہ مقرر کیا گیا اور اُس نے شیعوں کو پوری جستجو کے ساتھ گرفتار کیا، اور وہ اُن کو پہچانتا بھی خوب تھا کیوں کہ علیؑ کے زمانے میں وہ ان ہی لوگوں کے ساتھ تھا۔ اُس نے اُن کو جہاں پایا قتل کیا اور ہاتھ پاؤں قطع کیے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں اور درختوں پر سولیاں دلوائیں اور عراق سے جلاوطن کیا، یہاں تک کہ کوئی مشہور و معروف شخص ان میں سے باقی نہیں رہا (نصائح کافیہ منٹ)

اس صورتِ حال کے بعد ناممکن تھا کہ کوفے کے اندر شیعہ جماعت کے لیے کوئی نمایاں حیثیت باقی رہتی بلکہ مارے جانے، سولی پانے اور جلاوطن ہونے کے بعد جو بچے کچے

اشخاص موجود بھی تھے وہ گوشوں کے اندر اور پردوں کے نیچے زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے اور شیعیت کا نام بھی زبان پر لانا اپنے استحقاقِ قتل کی دستاویز خیال کرتے تھے۔

مثل مشہور ہے کہ "ظالم کی رسّی دراز ہوا کرتی ہے" زمانے کے ورق اُلٹتے رہے لیکن قدرت کو ایک طویل زمانے تک ان بے کسوں کا امتحان لینا منظور تھا۔ صورتِ حال دو ایک ماہ، دو ایک سال نہیں بلکہ بیس سال تک قائم رہی جس میں بچّے جوان اور جوان بوڑھے اور بوڑھے فنا ہو گئے، شیعیت ایک مخصوص، با معرفت اور صاحب ایمان جماعت میں مخفی حیثیت سے پرورش پا رہی تھی اور وہ جماعت کوفہ کے اتنے بڑے شہر میں گم نامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔

روسائے عشائر اور شیوخ قبائل، ذمہ دار و باعتبار اشخاص سب حکومت وقت کے ساختہ و پرداختہ اور اُس کی خیر خواہی و وفاداری کی قسم کھائے ہوئے اور شاہی مذہب کے حلقہ بگوش و عقیدت کیش تھے۔

رہ گئی عام خلقت جس پر انقلاباتِ زمانہ کا دار و مدار ہوتا ہے وہ بلا استثنار ہر ملک میں اور ہر جگہ "ہر کسے سکّہ زند خطبہ بنامش خوانند" کے مطابق ہوا کے رُخ پر اُڑنے والی اور زمانے کے غیر معمولی حوادث سے سرعت کے ساتھ رنگ بدلنے والی ہوا کرتی ہے۔

اُن میں ایک ایسا اچانک امر جس میں جوش انگیزی کی طاقت ہو وہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے جو برسوں کی دعوت و تبلیغ پیدا نہیں کرتی۔

اس کے ہونے حکومتوں کے تغیّر و تبدل اور سلاطین کے عزل و نصب کی صورت میں ہمیشہ نظر سے گزرتے رہتے ہیں اور وہ اکثر و بیشتر اسی قسم کی ناگہانی صورتوں کا

نتیجہ ہوتے ہیں ۔

بے شک بیس سال تک صورت حال ایک طرح رہنے کا سبب یہی تھا کہ اس مدت میں کوئی تازہ حادثہ رونما نہیں ہوا جو رجحانات طبعی سے ٹکرا کر ان کو سیلاب کی طرح کسی خاص طرف متوجہ کر سکے ۔

سنہ ۶۰ھ کے رجب کا مہینہ وہ تھا کہ جس میں امیر معاویہ نے انتقال کیا اور ان کا نامزدکردہ خلیفہ و جانشین اُن کا بیٹا یزید ہوا۔ ایسے ہی موقع وہ ہوتے ہیں جو پُرسکون فضا میں تموج اور مطمئن سطح میں تلاطم پیدا کر دیتے ہیں فطرۃً ہر شخص سابق فرماں روا کے بعد اپنے جدید والی سلطنت اور قسمت کے مالک کی سابقہ زندگی اور اس کے اخلاق و عادات اور ذاتی خصوصیات کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لذت محسوس کرتا ہے اور بیک وقت مختلف حلقوں اور جماعتوں میں یہی چرچے شروع ہو جاتے ہیں ۔

یزید کے اخلاق و عادات، اُس کی مے نوشی اور شہوت رانی، اور اس کی طفلانہ جوانی اور لہو و لعب میں سرگرمی، احکام شرعیہ سے آزادی اور خواہشات نفس کی پرستاری ایسی نہ تھی جو مخفی حیثیت رکھتی ہو ۔

جاننے والوں کو یاد آ گیا اور انجام کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا اور نہ جاننے والوں کو پوچھ گچھ میں معلوم ہوا کہ ہمارا ہونے والا خلیفہ و مالک سلطنت ان صفات و عادات کا شخص ہے ۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک عام بے چینی، اضطراب، نفرت و بیزاری کا جذبہ سینوں میں پیدا ہو گیا، اور اسی کے ساتھ آنکھیں گردش کرنے لگیں کہ کون ہے جو اس آڑے وقت پر کام آئے اور اُن ذمہ داریوں کو جو سلطنت و خلافت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں

اپنے کاندھے پر اُٹھا کر اُمتِ اسلامیہ کو اس بدکردار خلیفہ کے ہاتھ سے چھٹکارا دے۔
اسی کے ساتھ یہ خبریں بھی مشتہر ہوئیں کہ حسینؑ بن علیؑ نے یزید کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ اسی لیے مدینے سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ آ گئے ہیں اور یہ طے کر لیا ہے کہ جو کچھ بھی ہو یزید کی بیعت نہ کریں گے۔

اُس وقت شیعوں کی اُس جماعت کو جو بیس برس کی طویل مدت تک طرح طرح کے صبر آزما مظالم برداشت کرتے کرتے عاجز آ چکی تھی اور ہر وقت اور ہر آن حضرت احدیت کی جانب سے کشائش و نصرت کی منتظر تھی، اپنی مایوسیوں کی مدت سے چھائی ہوئی تاریک گھٹا میں اُمید کی شعاعیں نظر آنے لگیں اور اُن کے ضمیر نے آواز دی کہ اس موقعے سے بہتر کوئی موقع نہ ملے گا اور اس وقت کا سکوت خودکشی کا مرادف ہوگا۔

یہ سوچ کر سلیمان بن صرد صحابی رسولؐ کے گھر میں مجتمع ہوئے۔ سن رسیدہ اور تجربہ کار سلیمان نے جو رسالت مآبؐ کی آنکھیں دیکھے ہوئے اور امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہ چکے تھے، مجمع کو ان الفاظ سے مخاطب کیا

"ان معاویۃ ھلک وان حسینا قد نقبض علی القوم ببیعتھم وقد خرج الی مکۃ وانتم شیعتہ وشیعۃ ابیہ فان کنتم تعلمون انکم ناصروہ ومجاھدو عدوہ فاکتبوا الیہ وان خفتم الوھن والفشل فلا تغروا الرجل من نفسہ"

معاویہ کا انتقال ہوا اور حسینؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا ہے اور وہ مکہ معظمہ چلے گئے ہیں آپ لوگ اُن کے اور اُن کے پدر بزرگوار

کہ شیعہ ہیں، اگر آپ اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ ان کی نصرت و
مدد میں اور ان کے دشمنوں سے جنگ میں کوتاہی نہ ہوگی تو بسم اللہ ان
کو خط لکھیے اور اگر سستی و کم زوری کا خوف ہو تو برائے خدا اس ہستی کو
فریب دے کر اس کی جان کو خطرے میں نہ ڈالیے۔"

الفاظ سے ظاہر ہے کہ سلیمان ایک مقرر کے فرض کو ادا کرتے ہوئے گرجتے برستے الفاظ
سے وقتی جوش کو برانگیختہ اور الفاظ کی طاقت سے رگوں میں خون دوڑا کر اپنے مقصد کو
حاصل نہیں کرنا چاہتے بلکہ وہ مجمعے سے خود ان کے موجودہ جوش اور ولولے کی آخری تھاہ
اور موقع اقدام عمل پر ان کی انتہائی کارفرمائی کا جائزہ لوانا چاہتے ہیں اور اسی کے
ساتھ ان کو موقع کی نزاکت اور آئندہ کے خطرات کا اندازہ کرا دینا مقصود ہے۔ یہ
امر فطری ہے کہ جذبات کی برانگیختگی کے موقع پر انسان کو اپنی طاقت کا اندازہ مشکل
سے ہوتا ہے اور وہ عواقب کی فکر اور سخت مواقع پر اپنے ثبات قدم و استقلال کی تشخیص
میں غلطی کر جاتا ہے۔ مجمع کے اندر ان کے بڑھتے ہوئے جوش میں سلیمان کے الفاظ نے
وہ کام کیا جو پانی کا چھینٹا اٹھتے ہوئے آگ کے شعلوں میں۔ ایک مرتبہ سب بول اٹھے کہ
نہیں نہیں ہم یقیناً ان کے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور اپنے کو حضرت کے قدموں
پر نثار کریں گے۔

یہ جمعیت کتنی تھی؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ کسی میدان یا عالی شان
قصر امارت کے وسیع صحن کی رہین منت نہ تھی بلکہ وہ عربی ساخت کے مختصر مکانات میں
سے جن کے نمونے آج تک عربستان میں نظر آ جاتے ہیں، ایک مکان سلیمان بن صرد کے
گھر میں مجتمع ہو گئی تھی۔

مذکورۂ بالا سوال و جواب اور اس کے الفاظ میں بے شک صداقت کا جوہر نظر آرہا ہے اور وہ بولنے والوں کے باطنی ضمائر کی ترجمانی کر رہے ہیں لیکن وہ آئندہ ہونے والے ناگہانی انقلابات کا کہاں تک مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اس کا فیصلہ مستقبل ہی کے ہاتھ ہے۔ سلیمان بن صرد کی حجت تمام ہو چکی تھی۔ خط امام حسینؑ کے نام بدین عنوان لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لحسینؑ بن علیؑ من سلیمان بن صرد والمسیب بن نجبۃ ورفاعۃ بن شداد وحبیب بن مظاهر و شیعتہ من المومنین والمسلمین من اھل الکوفۃ

اس کے بعد معاویہ کے انتقال پر اظہارِ مسرت کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ

انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق والنعمان بن بشیر فی قصر الامارۃ لسنا نجتمع معہ فی جمعۃ ولا نخرج معہ الی عید ولو قد بلغنا انک قد اقبلت الینا اخرجناہ حتی نلحقہ بالشام انشاء اللہ والسلام و رحمۃ اللہ۔

ہمارے سر پر کوئی امام نہیں ہے لہذا آپ تشریف لائیے، شاید آپ کی وجہ سے ہم حق کی نصرت پر ہم آہنگ ہو سکیں اور نعمان بن بشیر دارالامارہ میں موجود ہے ہم اس کے ساتھ نماز جمعہ میں شریک نہیں ہوتے اور نہ عیدگاہ جاتے ہیں، اگر ہم کو خبر معلوم ہو جائے گی کہ آپ تشریف لا رہے ہیں تو ہم

اُس کو یہاں سے نکال کر شام جانے پر مجبور کر دیں گے۔ والسّلام

اس خط کو عبداللہ بن سبیع ہمدانی اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ یہ سب سے پہلا خط ہے جو امامؑ کو مکہ معظمہ میں دسویں ماہ رمضان کو ملا۔

جمیعت منتشر ہو گئی اور اب ہر ایک نے اپنے حلقۂ اثر میں اس تحریک کو پھیلانا شروع کیا اور دو ہی دن کے عرصے میں ۵۳ عرض داشتیں تیار ہو گئیں جو ایک دو تین چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں اور یہ سب خطوط قیس بن مسہر صیداوی اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی اور عمارۃ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ کیے گئے۔

اُس اضطراب اور روحانی تلاطم کے سبب سے جو یزید کی خلافت کی باعث عام طور پر پیدا تھا اور جس میں کسی مذہب و مسلک کا افتراق نہ تھا، ان حضرات کی مذکورہ بالا تجویز کا ہر طرف سے خیر مقدم کیا گیا اور وہ لوگ جو شیعیت کا جذبہ نہ رکھتے تھے وہ بھی اس خیال سے نہیں کہ حسینؑ تمام دنیا کو چھوڑ کر امامت کے مستحق ہیں بلکہ اس خیال سے کہ یزید ایسے شراب خوار و فاسق سے حسینؑ بن علیؑ ایسی کامل و لائق ہستی یقیناً مسلمانوں کے لیے بہتر ہے اس تحریک کے گرم جوشی کے ساتھ مؤید نظر آنے لگے جس کو دیکھ کر ان افراد کو جو حقیقۃً اس تجویز کے محرک تھے یہ یقین پیدا ہو گیا کہ رائے عام ہمارے ساتھ ہے اور اب کامیابی ہمارے قدم سے وابستہ، لیکن در حقیقت یہ فریب نظر تھا، عام خلقت کو اس تحریک سے ہمدردی ویسی ہی تھی جیسے آندھی کے رُخ پر اُڑتے ہوئے پرند۔

اس غلط اندیشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو پہلے خط میں لعل اللّٰہ یجمعنا بلک کی لفظیں ہیں وہ جا اور اجتماع و اتفاق کا خیال توقع کی صورت میں ظاہر کر رہی تھیں اور یا اب آخری خط پر زور الفاظ میں لکھا جاتا ہے جو مضبوط یقین اور

کامل اعتماد کا مظہر ہے :

"لحسین بن علی من شیعتہ من المومنین والمسلمین
امابعد فحیّ ھلا فان الناس ینتظرونک ولا رأی
لھم فی غیرک فالعجل العجل والسلام علیک
تشریف لائیے جلد اس لیے کہ لوگ آپ کے منتظر ہیں اور آپ کے
سوا کسی کی امامت تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں، لہذا جلدی کیجیے
جلدی والسلام"

اس خط کو ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ذریعہ روانہ کیا گیا تھا۔
اب تک جو کارروائیاں ہو رہی ہیں وہ اجتماعی کہی جا سکتی ہیں اس لیے
کہ ان میں جماعت شیعہ اور اس کے ذمہ دار نمائندے پیش پیش نظر آرہے ہیں اور
وہ کارروائیاں اس خط پر ختم ہو گئیں جو اپنے مضمون کے اعتبار سے بھی بالکل آخری
کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بعد ایک خط کوفے سے جاتا ہوا نظر آتا ہے امام
حسینؑ کے نام جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"امّا بعد فقد اخضر الجناب واینعت الاثمار و
طمت الاجام فاذا شئت فاقدم علی جند لک مجند
والسلام علیک
کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں، تالاب
لب ریز ہیں پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی
جانب جو آپ کے لیے آراستہ موجود ہے والسلام"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط ہیں۔ شبث بن ربعی، حجار بن الجبر، یزید بن حارث، یزید بن رویم، عروۃ بن قیس، عمرو بن الحجاج زبیدی، محمد بن عمیر تمیمی۔
(ان واقعات کے لیے ملاحظہ ہو طبری جلد ۶ ص ۱۹۷)۔

ذرا پہلے خطوط اور اس خط میں عنوان کی حیثیت سے موازنہ کیجیے۔ اُن خطوط میں سے ہر خط میں برابر اپنے تشیع وایمان کا حوالہ ہے۔ معاویہ وآل معاویہ کے غصب خلافت کا تذکرہ ہے۔ حسینؑ بن علیؑ کے استحقاقِ امامت کا اعتراف ہے لیکن اس خط میں یہ کچھ بھی نہیں۔

اس کے علاوہ یہ سات آدمی اگر اس جمعیت کے رکن تھے جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کی بانی تھی تو اُن اجتماعی خطوط میں اُن کا کہیں نام کیوں نظر نہیں آتا، باوجودیکہ یہ لوگ کوئی گم نام اشخاص نہیں بلکہ رؤسائے عشائر اور شیوخ قبائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ناممکن تھا کہ سلیمان بن صرد اور مسیب بن نجبہ اور رفاعہ بن شداد اور حبیب بن مظاہر ایسے محراب عبادت میں زندگی گزارنے والے بے اسم ورسم اشخاص کا تو اس میں نام ہو اور یہ لوگ نظر انداز کر دیے جائیں۔ پھر جب کہ وہ کمیٹی ایک آخری کارروائی کر چکی تھی جس میں پُر زور الفاظ میں تعجیل کی درخواست تھی تو اب ان اشخاص کو اس انفرادی مکتوب لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

اور پھر میری قوتِ شامہ کو تو اس خط کے طرزِ تحریر اور اس کے الفاظ سے بھی کوئی خلوص ومحبت کی بو محسوس نہیں ہوتی بلکہ برعکس اس کے مجھ کو اس کے اندر استہزاء وتمسخر کا جوہر کارفرما نظر آ رہا ہے۔

آخر حسینؑ کو لہلہاتی کھیتیوں سے کیا کام اور رسیدہ میووں سے کیا غرض،

اور لمبے یہ تالاؤں سے کیا مطلب؟ پھر اس میں امام حسینؑ کی تشریف آوری کی خواہش کا بھی پتہ نہیں ہے بلکہ آنے کو آپ کی مشیت پر محول کر کے ایک خبر رسانی کی سی صورت ہے کہ یہاں یہ تیاریاں ہو گئی ہیں جب آپ کا دل چاہے تشریف لایئے۔

ان وجوہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان اشخاص کو اُس جماعت سے کہ جو شیعہ کہی جا سکتی تھی کوئی تعلق نہ تھا بلکہ یا تو جب دیکھا کہ خطوط اس قدر جا چکے ہیں کہ امام حسینؑ ضرور ہی ان کے مطالبہ کو پورا کر کے تشریف آوریِ عراق کا ارادہ کر لیں گے اور موجودہ صورت حال کی بنا پر اُن کو کامیابی بھی حاصل ہو گی تو "ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں" کی مثل کے مطابق یہ چاہا کہ ہم بھی خطوط لکھنے والوں میں شمار کر لیے جائیں، اس طرح حضرت کی حکومت ہونے پر جس کے توقعات قائم ہو چکے ہیں ہم سے بدظنی نہ پیدا ہو گی اور یا اس کے اندر کوئی سازش مضمر تھی جس کی بنا پر متفقہ طور سے یہ خط لکھا گیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ ان خطوط لکھنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلہ میں پائی نہیں جاتی، بلکہ اُن میں سے حبیب بن مظاہر نے کربلا میں امام حسینؑ کے قدموں پر جاں بازی کے ساتھ دم توڑ کر ہمیشہ کے لیے سرخ روئی حاصل کی اور اُن اشخاص میں سے جو خطوط کے لے جانے والے تھے سعید بن عبداللہ حنفی نے اس طرح جاں نثاری کی جس کی نظیر کسی شہید کے یہاں نظر نہیں آتی۔

ظہر کے بعد جب لڑائی نے زور پکڑا اور خوں خوار دشمنوں کا لشکر امام حسینؑ کے نزدیک پہنچ گیا اُس وقت یہ جاں باز امام کے سامنے کھڑا ہو گیا اور جو تیر حسینؑ کی طرف آتا تھا اُس کو اپنے سینہ پر روکتا تھا، آخر اتنے تیر پڑے کہ وہ جاں نثار مردہ ہو کر

زمین پر گر پڑا (طبری ص۲۵۲)

اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن الرحبی روز عاشور امام حسینؑ سے اجازت لے کر میدانِ قتال میں آئے اور یہ رجز پڑھا :

صبرا علی الاسیاف والاسنة

صبرا علیها لدخول الجنة

پھر جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہوئے (ابصار العین ص۳۰)

اور قیس بن مسہر صیداوی نے اپنی زندگی کے آخری نفس تک جس صداقت و استقلال کے ساتھ اپنے فرض کو ادا کیا، اُس کا تذکرہ صفحۂ تاریخ پر زریں حرفوں میں ہمیشہ ثبت رہے گا۔

اُس وقت کہ جب امام حسینؑ نے بطن الرمہ سے اہل کوفہ کے نام خط دے کر ان کو روانہ کیا اور حصین بن تمیم کے ہاتھوں جو قادسیہ میں ناکہ بندی پر مقرر تھا یہ گرفتار ہو کر ابن زیاد کے پاس لائے گئے اور اُس نے حکم دیا کہ قصر دار الامارہ پر جا کر حسینؑ بن علیؑ کے بارے میں کلماتِ نازیبا استعمال کریں۔ یہ موقع تھا جس کو قیس نے بہترین موقع تبلیغ کا سمجھا اور بالائے قصر جا کر بلند آواز سے کہا :

"ایها الناس ! ان هذا الحسین بن علی خیر خلق الله ابن فاطمة بنت رسول الله وانا رسوله الیکم وقد فارقته بالحاجر فاجیبوه

سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ حسینؑ فرزند علیؑ و فاطمہؑ اس وقت خلق خدا میں سب سے بہتر و افضل ہیں اور وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں، میں ان ہی کا

بھیجا ہوا ہوں، اب تم سب اُن کی آواز پر لبیک کہو۔"

یہ لفظ ختم ہوئی رہی تھیں کہ ابن زیاد کے حکم سے اُن کو قصر دارالامارہ کی بالائی سطح سے نیچے گرا دیا گیا اور اُس شہید راہ خدا کی ہڈیاں سرمہ سا ہو گئیں۔

(طبری صفحہ ۲۴۴)

ان خطوط کے لکھنے والے شیعہ تھے اور ان کی براءت قتل حضرت سید الشہداؑ سے یقینی طور پر ثابت ہے۔

برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے اُن میں سے پانچ شخص شبث بن ربعی اور حجار بن ابجر اور عزرہ بن قیس اور عمرو بن حجاج زبیدی اور یزید بن حارث مسلماً واقعہ کربلا میں موجود اور قتل امام حسینؑ میں شریک تھے اور بقیہ دو کے نام اگرچہ کسی موقع پر نظر نہیں آتے لیکن قرائن کی رو سے قرین قیاس ہے کہ انھوں نے بھی اپنے ساتھیوں کا ساتھ دیا تھا۔

یہ وہی اشخاص ہیں جن کے متعلق کافی وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے کہ نہ انھوں نے اپنے کو شیعہ لکھا تھا اور نہ واقعات کی بنا پر ان کا جماعت شیعہ سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے۔

امام حسینؑ نے اہل کوفہ کے متواتر خطوط دیکھ کر احتیاطی تدبیر یہ کی کہ مسلم بن عقیل کو اپنا نمایندہ بنا کر ایک تحریر کے ساتھ روانہ کیا جس میں لکھا تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من حسین بن علی الی الملأ من المؤمنین والمسلمین

امّا بعد فان ھانئا و سعیدا قدما علیّ بکتبکم وکانا اٰخر

من قدم علیّ من رسلکم وقد فهمت کل الذی قصصتم وذکرتم ومقالۃ جلکم انہ لیس علینا امام فاقبل لعل اللّٰہ ان یجمعنا بک علی الهدی والحق وقد بعثت الیکم اخی وابن عمی وثقتی من اهل بیتی وامرته ان یکتب الیّ بحالکم وامرکم ورأیکم فان کتب الیّ انہ قد اجمع رأی ملأکم وذوی الفضل والحجیٰ منکم علی مثل ما قدمت علیّ بہ رسلکم وقرأت فی کتبکم اقدم علیکم وشیکا ان شاء اللّٰہ فلعمری ما الامام الا العامل بالکتاب والآخذ بالقسط والدائن بالحق و الحابس نفسہ علی ذات اللّٰہ والسلام۔

"ہانی اور سعید تمہارے خطوط لے کر پہنچے، اور یہ دونوں شخص تمہارے سب سے آخری قاصد ہیں جو میرے پاس آئے ہیں۔ میں نے جو کچھ تم لوگوں نے لکھا تھا اُس کو غور سے پڑھا اور سمجھا۔ تم میں سے اکثر کا قول یہ ہے کہ ہمارے سر پر کوئی امام نہیں آپ آیئے شاید خدا ہم کو آپ کی بدولت حق پر مجتمع کر دے۔ اچھا تو اب میں تمہاری جانب اپنے بھائی اور چچا کے بیٹے اور اپنے محل اعتماد عزیز قریب کو روانہ کرتا ہوں اور اُنھیں حکم دے دیا ہے کہ وہ مجھ کو تمہارے حالات وخیالات سے مطلع کریں، اگر اُنھوں نے لکھا کہ تمہاری جماعت اور اہل حل وعقد افراد نے اتفاق کرلیا ہے اُس امر پر کہ جس کو تم نے اپنے خطوط میں ظاہر کیا ہے تو میں عن قریب تمہاری طرف

آتا ہوں، اور امام کے کوئی معنی نہیں سوا اُس شخص کے جو کتاب الٰہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور حق کا متبع اور اپنی ذات کو خدا کی مرضی پر وقف کیے ہوئے ہو، والسلام (طبری صفحہ ۱۹۷ و ۱۹۸)۔"

آخری لفظوں میں خط لکھنے والوں کے عقیدۂ تشیع کی لطیف عنوان سے اصلاح ہے۔ اُن کا تشیع حقیقۃً صرف محبت اہلِ بیت اور اُن کے مقابلہ میں دوسروں کو ناقابلِ حکومت و خلافت سمجھنے تک محدود تھا، لیکن معارفِ صحیحہ اور عقائدِ حقّہ جو فرقۂ شیعہ میں بحکم عقل و تعلیم اہلبیت علیہم السلام مسلّم حیثیت رکھتے ہیں وہ اُن کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

اُن کے خطوط کے اندر یہ جملہ پیش پیش نظر آتا ہے کہ "لیس علینا امام" ہمارے سروں پر کوئی امام موجود نہیں" حالاں کہ اگر صحیح معرفت امام اُن کے دلوں میں موجود ہوتی تو وہ سمجھتے کہ امام کی امامت کسی فوج و لشکر اور تاج و تخت کی محتاج نہیں اور وہ اب نہیں بلکہ دس برس پیش تر سے حسینؑ بن علیؑ کے لیے محفوظ ہے۔ وہ اس کی محتاج نہیں ہے کہ حسینؑ اُن کی جماعت میں آکر اُن کی نصرت حاصل کریں اور اُن کے اتفاق و اتحاد سے فائدہ اُٹھائیں تب امامت کا انعقاد ہو۔

امام نے اپنے اس جملے میں کہ ما الامام الا العامل بالکتاب الخ ان کو حقیقتِ امر پر مطلع فرمایا ہے "کتاب الٰہی پر عامل اور عدالت کا پابند اور اپنی ذات کو ہر حرکت و سکون میں لازمی طور سے خدا کی مرضی پر وقف کیے ہوئے"۔ اسی تفصیل کا اجمال اور اصطلاحی مفاد "معصوم" ہے اور مطلب یہ ہوا کہ امام کے لیے کسی قہر و غلبہ کی حاجت نہیں ہے بلکہ جو بھی معصوم ہو وہ بہر حال امام ہے۔

یہ تو جملۂ معترضہ تھا۔ اس خط کی عبارت سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقیل جنگ پر مامور نہ تھے اور نہ کوفہ کی تسخیر کے لیے بھیجے گئے تھے بلکہ وہ صرف ایک نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے تاکہ کوفہ کی رائے عامہ اور وہاں والوں کے حالات و خیالات کا حضرت سید الشہداء کے متعلق اندازہ کر کے حضرت کو اُس سے مطلع کریں۔

حضرت مسلم کے درودِ کوفہ کے موقع پر طبری اور دوسری مستند تاریخوں نے جو حالات قلم بند کیے ہیں اُن کی بنا پر سلیمان بن صرد خزاعی کی موجودگی کوفہ میں پائی نہیں جاتی ورنہ مسلم کو مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر میں اُترنے کی ضرورت نہ تھی[1]۔

جب کہ سلیمان بن صرد اس تحریک کے روحِ رواں اور قائدِ اعظم تھے اور کوفہ کی جماعت شیعہ میں سب سے زیادہ صاحب وجاہت و اقتدار تھے جس کی تصدیق ان الفاظ سے ہوتی ہے جو رفاعہ بن شداد نے اُس موقع پر کہے ہیں کہ جب یہ لوگ بعد قتل امام حسینؑ انتقامی تدابیر پر غور کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں اور مسیب بن نجبہ نے صورتِ حال کو پیش کرتے ہوئے کسی سردار کے انتخاب کی تحریک کی ہے۔ اس وقت رفاعہ نے کہا:

"ان رأیت ورأی اصحابنا ذلک ولینا ھذا الامر شیخ الشیعۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وذا السابقۃ والقدم سلیمان بن صرد المحمود فی بأسہ ودینہ والموثوق بحزمہ"

---

[1] مجھ کو معلوم ہے کہ بعض کتبِ مقاتل میں مسلم کا ابتدائی قیام سلیمان بن صرد کے مکان پر بتلایا گیا ہے لیکن مستند تاریخی شہادتیں اس کے خلاف ہیں ۱۲

* اگر سب کی رائے ہو تو ہم اس مہم کی قیادت و سرکردگی سلیمان بن صرد کے سپرد کریں جو شیخ الشیعہ اور رسالت مآبؐ کے صحابی اور ہم سب پر مقدم اور کارہائے نمایاں کیے ہوئے شخص ہیں جن کی شجاعت و دیانت دونوں قابل تعریف و ثنا اور موقع بینی و آزمودہ کاری محل اطمینان ہے (طبری جلد ۷ ص ۴۷)

ان کی موجودگی میں مسلم بن عقیل کو ان ہی کے یہاں قیام کرنا ناگزیر تھا اور پھر مسلم کے دوران قیام میں اُس وقت کہ جب حالات سازگار تھے اور لوگ بیعت کے لیے ٹوٹے پڑ رہے تھے وہاں بھی سلیمان کا کہیں تذکرہ نظر نہیں آتا اور حضرت مسلم کی دعوت پر پہلا جو اجتماع ہوا اُس کے مقررین کی فہرست میں بھی سلیمان کا نام نہیں ہے حالاں کہ عرب کی سابقہ و حال تہذیب کے مطابق اگر سلیمان بن صرد موقع پر موجود ہوتے تو سوا اُن کے کسی کو سب سے پہلے زبان کھولنے کا اور کسی تقریر کرنے کا حق نہ تھا۔

اور اگر سلیمان باوجود وہاں ہونے کے کسی وجہ سے مسلم کی نصرت سے پہلو تہی کرتے تو سلیمان کی نمایاں شخصیت کو دیکھتے ہوئے تاریخ میں یہ واقعہ اہمیت کے ساتھ مندرج نظر آتا کہ سلیمان ایسے شخص نے مسلم سے بروقت اور وہی علیحدگی اختیار کی، اور اس کا نتیجہ سب سے بڑا جو ہوتا وہ یہ کہ مسلم کو اس تلخ تجربہ کے بعد اہل کوفہ کی وفاداری اور ثبات قدم و استقامت کے متعلق وہ خوش گوار توقعات قائم نہ ہوتے جن کے باعث وہ امام حسینؑ کو لکھتے کہ آپ ضرور یہاں تشریف لائیے۔

حضرت مسلم نے مختار بن ابو عبیدہ کے مکان پر قیام کیا اور جن جن اشخاص

اطلاع ہوتی گئی وہ مسلم کے پاس شرف زیارت حاصل کرنے کے لیے آتے گئے۔ جب کافی مجمع ہو گیا تو مسلم نے امام کا خط جو جماعت شیعہ کے نام تھا پڑھ کر سنایا جس سے مجمع میں کافی جوش کے آثار ظاہر ہوئے اور عابس بن ابی شبیب شاکری نے کھڑے ہو کر حمد و ثنائے الٰہی کے بعد اپنے ذاتی خیال کو ظاہر کرتے ہوئے کہا:

"انی لا اخبرک عن الناس ولا اعلم ما فی انفسھم وما اغرک منھم واللہ احدثک عما انا موطن نفسی علیہ واللہ لاجیبنکم اذا دعوتم ولاقاتلن معکم عدوکم ولاضربن بسیفی دونکم حتی القی اللہ لا ارید بذلک الا ما عند اللہ۔

مجھ کو عام لوگوں کے متعلق کسی اظہارِ خیال کا حق نہیں اور نہ مجھے معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور نہ میں اُن کی طرف سے وکالت کرکے آپ کو فریب میں ڈالنا چاہتا ہوں لیکن میں وہ ظاہر کرتا ہوں جس کو میں نے اپنے دل میں ٹھان لیا ہے۔ خدا کی قسم جب وقت بھی آپ دعوت دیں گے میں لبیک کہتا ہوا حاضر ہوں گا اور آپ کے ہم راہ دشمنوں سے جنگ کروں گا اور آپ کے سامنے شمشیر زنی کروں گا یہاں تک کہ اس زندگی کو ختم کرکے اپنے خدا سے ملاقات کروں اور میرا مقصد اس سے سوا جزائے اُخروی کے کچھ نہ ہوگا۔"

یہ تقریر ختم ہوتی تھی کہ حبیب بن مظاہر کھڑے ہو گئے:

"مرحبا! جزاک اللہ! کتنے مختصر لفظوں میں تم نے اپنے ذاتی

خیالات کو واضح کر دیا۔

پھر حضرت مسلم کی طرف خطاب کر کے

" خدا کی قسم میرا بھی ذاتی خیال وہی ہے جو عابس بن ابی شبیب نے اپنی لفظوں میں ادا کیا۔"

ایسی ہی لفظوں میں سعید بن عبداللہ حنفی نے تائید کی اور مجمع متفرق ہوا خط کے مضمون کی بنا پر اس کارروائی کا مقصد واضح ہے یعنی یہ عہد و پیمان اس امر کے متعلق نہ تھا کہ مسلم کوئی جارحانہ اقدام کرنا چاہتے ہیں اور اس میں یہ لوگ مسلم کی معاونت کریں گے اور نہ اس وقت یہ وہم و خیال کسی دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا کہ چند ہی روز میں تن تنہا مسلم کے مقابلہ میں فوج کشی ہوگی اور اس لیے تمام جماعت کو تیار رہنا چاہیے، بلکہ یہ عہد و پیمان صرف امام حسینؑ کی تشریف آوری کی پیش نہاد اور اس موقع کے لیے ان لوگوں کے عزائم و نیات کے اندازے کے لیے تھا۔

مسلم بن عقیل کے ورود کی خبر کوفہ میں عام طور پر مشہور ہوگئی اور اس فضا کے لحاظ سے جو اس تحریک یعنی امام حسینؑ کو دعوت کے متعلق ابتدا ہی سے کوفہ میں پیدا ہوگئی تھی اور جس کے اسباب وضاحت کے ساتھ درج کیے جا چکے ہیں ہر شخص نے اس خبر کا مسرت کے ساتھ استقبال کیا۔

بقول شخصے خلقت بھیڑیا دھسان ہوتی ہے جدھر ایک چلا اُدھر سب، یزید کی خلافت سے بہ سبب اس کی سیاہ کاریوں کے بیزاری ایک طرف، حسین بن علیؑ کی ہر دل عزیزی نہ مذہبی نقطۂ نظر سے بلکہ اپنے اخلاق و کمالات کے لحاظ

سے دوسری جانب، وہ لوگ کہ جو مسلم بن عقیل کی تحریک کے مبلغ و داعی تھے ان کی ذاتی وجاہت اور تعلقات تیسری جانب، اور "کل جدید لذیذ" کے طبیعی قانون کے مطابق ہر تازہ تحریک میں جو لذت یا جاذبیت ہوتی ہے وہ چوتھی جانب، ان تمام باتوں کا حاصل کر یہ نتیجہ تھا کہ حضرت مسلم کے ہاتھ پر ایک ہفتے کے اندر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی۔

لیکن کیا یہ سب شیعہ تھے؟ کیا کوفہ میں زیاد و آل زیاد کی بیس سال حکومت کے بعد جس میں کھنچی ہوئی تلواریں اور جلادوں کے ہاتھ برابر اپنی سفاکی میں مشغول رہے اور دست و پا، سر و زبان کے قطع و برید کا سلسلہ برابر جاری رہا، کوفہ میں بیس ہزار کی تعداد میں شیعہ موجود ہو سکتے تھے؟

اور جب یہ نہیں تو کیا مذکورہ بالا سطحی عارضی اسباب سے جو رائے عام ہموار ہوئی ہو، اس میں کوئی وزن یا ثبات و استقرار ہو سکتا ہے؟

بے شک جب اس تحریک کے ابتدائی محرک اشخاص کو رائے عام کی نوعیت سمجھنے میں غلطی ہوئی، حالانکہ وہ یہیں کے رہنے والے پروردہ اور تجربہ یافتہ تھے تو مسلم بن عقیل کو کہ جنھیں اس شہر کے حالات کا تجربہ بھی حاصل نہ تھا صورت حال کی تشخیص میں دھوکا ہونا قابلِ تعجب نہیں ہے۔

مسلم کی تحریک کو چلانے والے، ان کی صدا پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اور سب سے پہلے اجتماع میں جان بازی کا اقرار کرنے والے اور رائے عام کو ہموار کر کے مسلم کی نصرت و بیعت پر آمادہ کرنے والے بے شک سب شیعہ تھے اور ان کا کام یہی تھا کہ وہ رائے عام کو مسلم بن عقیل کے موافق بنا دیں جن میں ان کو خاطر خواہ کامیابی

ہوئی، لیکن آئندہ کے انقلابات کوئی دوسری صورت پیدا نہ کریں گے، اس کی ذمہ داری اُن پر عائد نہیں ہو سکتی۔ بے شک اُنھوں نے اپنے اقرار وفا اور عہد جاں بازی پر بہترین طریقہ سے عمل کیا اور جو کہا تھا اُسے کر دکھایا، جس کے مشاہدہ کے لیے مستقبل کا انتظار کرنا چاہیے۔

مسلم بن عقیل کو حالات اُمید افزا نظر آ رہے ہیں، امام حسینؑ کو خط بھی لکھ دیا ہے کہ کوفہ آپ کے ساتھ ہے، تشریف لائیے۔ مقامی حکومت کے طرز عمل کو دیکھتے ہوئے اُن کو اپنی نسبت بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا ہے جس کی بنا پر وہ اپنی حفاظت کے لیے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔

کوفہ میں یہ خبر گرم ہے کہ اب بہت جلد ہی حسینؑ بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اس وجہ سے ہر طرف ایک خاص چہل پہل نظر آتی ہے اور حلقہ حلقہ، جماعت جماعت لوگ بیٹھ کر اس مسئلہ پر اظہار خیالات کرتے ہیں اور بے چینی کے ساتھ دیدہ براہ ہیں لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ کوفہ کے اندر ایک جماعت موجود ہے جو ان تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دینے پر آمادہ ہے اور وہ اموی حکومت کے خیر خواہ دوست اور وہ لوگ ہیں کہ جنھیں حسینؑ بن علیؑ کی سلطنت کے بعد اموال خلق پر بیجا تصرفات کا حق باقی نہ رہے گا۔ ان ہی کی جانب سے مخفی کارروائی یہ ہوئی کہ یزید سے حاکم حال کو بدل کر کے ایک مدبّر اور سفاک حاکم کا مطالبہ کیا، اور وہاں قرعۂ فال عبید اللہ بن زیاد کے نام پر نکلا۔ عبید اللہ کوئی اور نہیں وہ زیاد کا بیٹا اور معاویہ کا ایک معنی سے بھتیجا ہے اور یہ خاندان وہ ہے جس پر مکاری اور غداری کا خاتمہ تھا۔

چنانچہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ابن زیاد نے اپنی نقل و حرکت کو بالکل صیغۂ راز میں رکھا تاکہ اُس کا ورود کوفہ میں اچانک حیثیت سے ہو اور پھر راستے میں جب کہ کوفہ نزدیک رہ گیا اُس نے اپنی وضع میں تغیر پیدا کر کے ایک سیاہ عمامہ سر پر باندھا اور چہرے پر اُسی طریقے سے جو عرب قوم کے بہادروں میں سخت موقعوں پر مرسوم ہے ایک ڈھاٹا باندھ لیا جس کی بنا پر شناخت ناممکن ہو گئی۔

ایک مرتبہ شہر کوفہ کے اندر یہ نقشہ نظر آیا کہ آگے آگے عربی گھوڑے پر ایک رئیس قوم پورے وقار و تمکنت کے ساتھ سیاہ عمامہ سر پر باندھے جو اشرافِ عرب کا امتیازی نشان تھا اور اُس کے پیچھے ایک شاندار قافلہ زین و لجام، ساز و سامان سے آراستہ۔ اس حشم و خدم کو دیکھ کر اُن توقعات کی بنا جو قائم تھے وہی ہونا چاہیے تھا جو ہوا یعنی ہر شخص یہی سمجھا کہ حسینؑ بن علیؑ تشریف لائے ہیں اور اُس قائم شدہ اثر کی بنا پر جو دلوں میں تھا۔ جس جماعت کی طرف سے عبیداللہ کا گزر ہوتا تھا وہ بہ نظر تعظیم کھڑے ہو کر آداب بجا لاتی تھی، اور خوش آمدید کے معنوں میں الفاظ زبان پر جاری ہوتے تھے کہ مرحبا بک یا ابن رسول اللہ قدمت خیر مقدم۔

ابن زیاد کسی کو کچھ جواب نہ دیتا تھا بلکہ آوازوں کو سنتا، چہروں کو بغور دیکھتا، شکل و شمائل کو پہچانتا چلا جا رہا تھا، یہاں تک کہ مجمع زیادہ ہو گیا اور لوگ اشتیاق میں گھروں سے نکل آئے اور ہر شخص یہ خیال خود فرزند رسولؐ کی زیارت کی تمنا میں آگے بڑھنے لگا اور نوبت یہ پہنچی کہ راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہوئی، اُس وقت مسلم بن عمرو باہلی نے جو ابن زیاد کے ساتھ تھا، پکار کر کہا:

"تاخروا هذا الامیر عبید اللہ بن زیاد"

"راستہ چھوڑ دو! یہ حسینؓ نہیں، امیر عبید اللہ بن زیاد ہیں۔"

نہ معلوم ان الفاظ میں کون سا اثر تھا کہ بڑھتے ہوئے قدم اور اُٹھتے ہوئے ہاتھ اور مسرت آمیز ترانے سب موقوف ہو گئے، اور سناٹا سا چھا گیا۔ مجمع بھی تتر بتر ہوا اور جس وقت ابن زیاد دارالامارہ میں پہنچا ہے تو دس آدمیوں سے زیادہ اُس کے ساتھ نہ تھے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۰ و ۲۰۱)

اب ذرا فطری رجحانات پر غور کرتے ہوئے اہل کوفہ کے موجودہ باطنی اضطرابات کا اندازہ کیجیے۔ ایک تو اچانک حادثہ جو غیر متوقع صورت سے ظہور پذیر ہو، وہ خود سنسنی پیدا کر دیا کرتا ہے، اُس پر یہ صورتِ حال کہ اُنھوں نے اپنے ہاتھوں اپنے خلاف جاسوسی کے کام کو انجام دیا یعنی اپنے باطنی خیالات و جذبات اور حسینؓ بن علیؑ کے ساتھ خلوص و عقیدت کو خود ابن زیاد کے سامنے بہ وقت ورود پیش کر دیا اور ابن زیاد نے صاف ایک ایک کے چہرے اور آواز کو پہچان رکھا ہے اور ابن زیاد وہ کہ جس کی اور جس کے باپ کی تلوار کے نیچے بیس برس تک اس تمام خلقت کی گردنیں اس طرح خم رہی ہیں کہ جس کو چاہا گرفتار کیا سولی پر لٹکا دیا یا جلّاد کے ہاتھ سے اس کی رگِ گردن کو قطع کرا دیا، اور ایسے ہیبت ناک مناظر ان ہی ہاتھوں سے آنکھوں کے سامنے آ چکے ہیں جن کو سوچ کر اب تک رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ہل جاتے ہوں گے اور اب وہی صورتیں اپنے اور اپنی اولاد اور اعزا و اقارب کے لیے پیش نظر ہیں، کیا یہ وجوہ ایسے نہ تھے جن کی بنا پر دل و دماغ معطل، قوائے عمل سلب، طاقتیں مضمحل اور ہمتیں پست ہو جائیں اور دلوں پر عظیم خوف و ہراس کا غلبہ ہو جاتا۔

عربستان میں اب تک یہ طریقہ موجود ہے اور مجھ کو نہیں معلوم دوسرے ممالک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے یا نہیں کہ بڑے شہروں میں ہر محلہ کا ایک مختار محلہ ہوتا ہے جو اُس محلّہ کی مردم شماری، وارد و صادر، زائیدہ اور مردہ، شادی شدہ و غیر شادی شدہ وغیرہ امور کے تشریحات کا مقامی حکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص اس محلہ سے کسی جرم کا مرتکب ہو یا کہیں مفرور ہو تو اُس کی جواب دہی و سراغ رسانی کی ذمہ داری بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔

ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک تہدیدی تقریر کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ یہ کہ تمام محلّات کوفہ کے ذمہ دار اشخاص کو جن سے عرافت یعنی مختاری محلہ کا منصب تعلق رکھتا تھا بُلا کر یہ فرمان جاری کیا کہ جلد سے جلد ہر محلہ کی مردم شماری اور جو لوگ وارد ہیں اُن کی فہرست اور جن لوگوں سے حکومت شام کو خطرہ ہے اُن کے نام ادارۂ حکومت محلیہ میں پیش کر دیے جائیں اور اگر وہ کسی وجہ سے اُن ناموں کے تفصیل وار لکھنے سے معذور رہوں تو ضمانت داخل کریں کہ اُن کے محلہ میں سے کوئی متنفس بھی حاکم شام کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوگا اور اس کے خلاف ظاہر ہوا تو اُس مختار محلہ کو خود اُس کے گھر کے دروازے پر سولی دی جائے گی اور اُس کے خاندان سے ہمیشہ کے لیے اُس منصب کو علیحدہ کر لیا جائے گا (طبری صفحہ ۲۰۱)

یہ مضبوط تدبیر ایسی نہ تھی جس کی کامیابی مشتبہ ہو، کوفہ کا چپّہ چپّہ جو ایسے مخبرین کی کثرت سے غیر محفوظ نظر آنے لگا اور مارشل لا کے ایسے سخت قانون میں وہ تنبیہی طاقت نہیں جو اس صورت سے پیدا ہوئی اس لیے کہ اب ہر شخص خاص اپنے محلہ میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتے ڈرتا، جھجکتا اور اپنی جان کے خطرہ کا احساس کرتا

تھا اور اس طرح دس آدمیوں، پانچ آدمیوں کا بھی ایک جگہ جمع ہو کر کسی امر پر گفتگو کرنا اور کوئی قرار داد طے کرنا ناممکن ہو گیا۔

اس صورتِ حال کے بعد کوفہ میں رائے عام کا منقلب ہو جانا کوئی عجیب امر نہ تھا جب کہ اس اٹھارہ ہزار کی جمعیت میں جنھوں نے بیعت کی تھی سب کے اندر کوئی مذہبی روح بھی کارفرما تھی جو اُن کو سخت موقع کے لیے اپنی جان کو خطرات میں ڈالنے پر استقلال سے آمادہ رکھتی، بلکہ اُس جمِ غفیر کے اتفاق و اجتماع کی نوعیت وہی تھی جس کے اسباب کو کچھ ہی پہلے ہدیۂ ناظرین کیا جا چکا ہے۔

یہ پہلا وقت تھا کہ مسلم بن عقیل کو اپنی جان کے خطرے کا اندازہ اور مقصد کی پامالی کا احساس ہوا، اب ان کا صرف ایک فرض رہ گیا تھا کہ وہ حفاظتِ خود اختیاری کے اصول پر جہاں تک مقدور ہو اپنے تحفظ کے لیے احتیاطی تدابیر عمل میں لائیں۔ اس کے لیے انھیں مختار بن ابوعبیدہ کا مکان جس میں وہ اب تک مقیم تھے غیر محفوظ نظر آیا، اس لیے کہ ان کا قیام وہاں مشہور ہو چکا تھا، اور پھر اگر کوئی وقت آئے تو وہاں اُن کی حمایت کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مختار بن ابوعبیدہ شریف تو تھے لیکن صرف ایک زمیندار کی حیثیت رکھتے تھے۔ کسی بڑے قبیلہ کے سردار نہ تھے اور پھر وہ خود آنے والے واقعات سے بے خبری کی حالت میں چند روز سے اپنے موضع پر گئے ہوئے تھے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۵۸)

لہٰذا مسلم نے اپنے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہ دیکھی کہ وہ غیر معلوم طریقہ پر ہانی بن عروہ کے گھر میں منتقل ہو جائیں اور ہانی کی تائید حاصل کر لینا مسلم کے لیے کوئی معمولی امر نہ تھا اس لیے کہ یہ قبیلۂ مراد و مذحج کے سردار تھے اور جب نکلتے

تھے تو بارہ ہزار آہن پوش سوار ہم راہ رکاب چلتے نظر آتے تھے۔

مسلم نے ہانی کے گھر میں پناہ لے کر ظاہری اسباب کی بنا پر اپنے کو بارہ ہزار شمشیر زن بہادروں کے احاطہ میں ڈال دیا ہے کہ جو اُن کے حفظ جان و آبرو کی بہترین ضمانت ہو سکتی ہے۔

ہانی نے مسلم کو مخفی طور پر اپنے یہاں رکھا اور سوا مخصوص افراد کے جو محلِ اعتماد تھے کسی کو اس راز کی اطلاع نہ تھی۔ افرادِ شیعہ کو جو اس تحریک کے بانی تھے اپنی ناکامیابی کا بھیانک منظر سامنے نظر آگیا تھا لیکن وہ مستقل مزاجی کے ساتھ ایسے تدابیر میں مصروف تھے جن سے صورت حال کی اصلاح ہو سکے۔ چنانچہ مسلم بن عوسجہ اسدی حضرت مسلم کے معتمد خاص اور وکیلِ عام تھے کہ وہ آپ کی جانب سے مخفی طور پر لوگوں کی ہم دردی حاصل کریں اور اُن سے امام حسینؑ کی بیعت لیں ابو ثمامہ صائدی امانت دار یا خزانچی کی حیثیت رکھتے تھے کہ جو کچھ اموال جمع ہوں اُن کو اپنی تحویل میں رکھ کر اپنی صوابدید سے سلاحِ جنگ خرید کریں۔

معقل نے جو ابن زیاد کا غلام تھا ایک شیطانی مکر و تزویر کے ساتھ اظہارِ تشیع کر کے مسلم بن عوسجہ سے حضرت مسلم کی جائے قیام کا پتہ لگایا اور ابن زیاد کے پاس سراغ رسانی کی جس کی بنا پر ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کے پاس ملاقات کا پیغام بھیجا۔

ہانی کو اُن تحفظات پر جو اُنھوں نے مسلم بن عقیل کے اخفا میں کر لیے تھے کامل اعتماد تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ابن زیاد کے دعوتی پیغام پر اُن کے دل میں کسی قسم کا خطرہ نہ گزرا اور نہ اُنھوں نے اس موقع پر اپنے بارہ ہزار جوانوں میں سے

کسی ایک کو بھی واقعہ سے اطلاع دینے کی ضرورت محسوس کی بلکہ خود تن تنہا ابن زیاد کے پاس چلے گئے۔ راز منکشف تھا اور واقعہ سے انکار بے سود اور اقرار کے بعد اپنے مہمان کو حوالے کر دینے سے انکار مشتعل کن، آخر بوڑھے لیکن بات کے پکے ہانی کا سر و چہرہ خون میں رنگین نظر آیا اور ابن زیاد کے حکم سے وہ قید خانہ بھیج دیے گئے۔

سردار بنی زبیدہ عمرو بن الحجاج ہانی بن عروہ کا برادر نسبتی تھا اُسے اطلاع ہوئی کہ ہانی قتل کر ڈالے گئے، تو وہ مذحج کے بہت سے زرہ پوش سوار لے کر دارالامارہ پر چڑھ دوڑا، اور تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نے ہانی کے دل میں رہائی کے توقعات پیدا کر دیے۔

لیکن افسوس کہ شریح قاضی کی فہمائش اور اس کہنے سے کہ ہانی قتل نہیں ہوئے ہیں بلکہ بعض مصالح سے ایک محدود زمانہ تک نظر بند کر دیے گئے ہیں وہ سب مطمئن ہو کر واپس گئے۔

حضرت مسلم کے لیے یہ موقع بہت سخت تھا۔ اُن کا پناہ دینے والا وفا دار اور مستقل مزاج بہادر ہانی بن عروہ اُن کی وجہ سے زد و کوب کی توہین آمیز تکلیف برداشت کر کے دشمن کے قید خانہ میں ہے اور اس کے گرد گھر میں خاندان مراد کی عورتیں " یا عثرتاه یا ثكلاه " کہہ کر نالہ و شیون کر رہی ہیں۔

کیا اب بھی مسلم بن عقیل چھپے ہوئے بیٹھے رہتے یا اس خوف سے کہ یہاں میرا قیام معلوم ہو گیا ہے کسی دوسرے قابل اعتماد شخص کے یہاں جا کر مخفی ہو جاتے ؟ لا واللہ ! غیرت بنی ہاشم کا یہ تقاضا نہ تھا، انھوں نے یہ طے کر لیا کہ ہانی نہیں

تو پھر میں بھی نہیں۔

طبری نے صاف طور پر تصریح کی ہے کہ

"لم یکن خروجہ یوم خرج علی میعاد من اصحابہ انما خرج حین قیل لہ ان ھانی بن عروۃ المرادی قد ضرب وحبس۔"

مسلم کا جنگ کے لیے نکلنا اپنے ساتھیوں کی اطلاع کے بغیر تھا اور کوئی قرار داد اُس دن کے متعلق نہ ہوئی تھی۔ وہ ایک مرتبہ اُس وقت کھڑے ہو گئے جب اُن کو معلوم ہوا کہ ہانی بن عروہ مرادی زد و کوب کے بعد قید کیے گئے ہیں۔" (طبری جلد ۷ صفحہ ۵۸)

واقعہ کی ناگہانی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب یہ توقع تو کی ہی نہیں جا سکتی کہ وہ اٹھارہ ہزار بیعت کرنے والے سب ایک دم میں مسلم کے گرد جمع ہو جاتے اور جنگ میں اُن کے ساتھ شرکت کرتے اور پھر جب کہ کوفے کے محلّے بھی ایک دوسرے کے متصل نہیں بلکہ کافی فاصلہ رکھتے تھے۔ ہاں یہ محلہ کہ جس میں مسلم کا قیام تھا" کافی وسعت رکھتا تھا۔ اور اُسی کے اطراف میں مسلم کے گرداگرد چار ہزار آدمی موجود تھے اور مسلم کی طرف سے جوں ہی "یا منصور امت" کا نعرہ بلند کیا گیا جو پہلے سے قرار داد کے مطابق ان کا شعار یعنی امتیازی نعرۂ جنگ تھا تو اُس وقت شہر ہاشمی وہ چار ہزار آدمی مسلم کے پاس جمع ہو گئے لیکن اُس محدود وقت میں جب کہ جنگ کے پہلے سے کچھ آثار نہ تھے وہ شاہی منظم فوج سے کہاں تک مقابلہ کے لیے تیاری کر سکے ہوں گے اس کا فیصلہ ناظرین کی رائے پر ہے۔

اسی کا نتیجہ تھا کہ ابھی مسلم قصر دارالامارہ تک پہنچنے نہ پائے تھے کہ وہ لوگ واپس جانا شروع ہو گئے اور پہنچتے پہنچتے صرف تین سو رہ گئے۔ لیکن ابن زیاد اس خیال سے کہ مسلم کے ساتھ کوئی بڑی جمعیت ہے قصر کے اندر قلعہ بند ہو گیا، اور مسلم نے بنی مراد کی ایک جماعت کو لیے ہوئے قصر کا محاصرہ کر لیا۔ رفتہ رفتہ دوسرے لوگ بھی آتے گئے یہاں تک کہ مسلم کے پاس کافی اجتماع ہو گیا اور ظہر سے شام تک برابر زد و خورد ہوتی رہی۔

موجودہ جمعیت کہ جو مسلم کے ساتھ محاصرہ میں شریک ہے درحقیقت مختلف قبائل کے مخلوط مجموعہ کا نام ہے اور قبائل کی روح شیوخ و اشراف قبائل ہیں جو ہمارے سابقہ بیانات کے مطابق حکومت کے ہواخواہ اور پابندِ فرمان ہیں، اور ابن زیاد نے بروقت پیش بندی یہ کی ہے کہ آج صبح سے شیوخ اشراف کو بلا کر اپنے پاس زیر حراست رکھ لیا ہے کہ اُن سے حسب موقع کام نکالا جا سکے۔

اب ابن زیاد نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ شہر کی ناکہ بندی کرا دی یعنی چوراہوں اور عام راستوں پر پہرے بٹھلا دیے کہ کوئی مسلم کی مدد کو نہ آ سکے اور صورت واقعہ کی بنا پر یہ امر لازمی تھا کہ مسلم کی مدد کو آنے والے مجتمع حیثیت سے کسی لشکر کے ساتھ نہ آتے بلکہ اکا دکا جس کو خبر ہوتی جاتی وہ تنہا یا اپنے بھائی بندوں کی معیت میں مسلم کے ساتھ شرکت کے لیے اٹھتا اور وہ فوراً گرفتار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی اپنے گھرانے کے کچھ نوجوانوں کو ساتھ لیے ہوئے آ رہے تھے جن کو کثیر بن شہاب نے گرفتار کیا اور محلۂ بنی عمارہ کی طرف

سے عمارہ بن صلخب ازدی نے ہتیار جسم پر آراستہ کر کے چاہا تھا کہ مسلم کے پاس آئیں لیکن محمد بن اشعث نے گرفتار کر لیا۔ یہ دونوں جاں باز مسلم وہانی کی شہادت کے بعد ابن زیاد کے حکم سے قتل کر ڈالے گئے۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۶)

اس طرح مسلم سے مختلف اطراف و جوانب کی مدد قطع ہو گئی۔ دوسری جانب اشراف و قبائل مامور ہوئے کہ وہ سطح دار الامارہ پر جا کر اپنے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پکار کر حکومت شام کی جانب سے تخویف و تہدید کریں اور مسلم کی شرکت سے علیحدہ ہونے پر مامور کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ہمدردانہ لہجہ میں قسمیں کھا کھا کر اپنے اپنے قبیلہ والوں کو یقین دلایا کہ عن قریب مرکزی حکومت شام کی جانب سے عظیم الشان فوجیں آنے والی ہیں جس کے بعد تمہارا جان و مال و اولاد سب تلف ہو جائے گا۔

دمشق سے فوجیں آنے کی خبر ایسی نہ تھی جو اضطراب پیدا نہ کرے۔ اس خبر سے ایک عام دہشت پیدا ہو گئی۔ حالت یہ تھی کہ

"ان المرأة كانت تاتی ابنها واخاها فتقول انصرف الناس يكفونك ويجیئ الرجل الی ابنه و اخيه فيقول غداً ياتيك اهل الشام فما تصنع بالحرب والشر انصرف فيذهب به"

عورتیں اپنے باپ بھائی کے پاس آتی اور کہتی تھیں کہ چلو واپس چلو! دوسرے لوگ کافی ہیں، اور باپ یا بھائی اپنے بیٹے بھائی کے پاس آ کر کہتا تھا کہ کل دمشق سے لشکر آ جائے گا

پھر تو کیا کہے گا، چل لڑائی سے کنارہ کشی کر سکے اور مجبور کر کے اُسے اپنے ساتھ واپس لے جاتا تھا۔ (طبری ص۲۰۲)

نتیجہ یہ ہے کہ مسلم تنہا رہ گئے، اور آخر ایک خوں ریز صف آرائی کے بعد درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

اب شہر میں خوف و دہشت کی کامل عمل داری اور رعب و ہیبت کا پورا دور دورہ تھا۔ لوگ گھروں سے نکلنا خطرناک سمجھتے تھے اور اس لیے چاروں طرف سناٹا اور ہو کا عالم تھا، اور ایک کو ایک کی خبر نہ تھی۔

انتہا ہے کہ وہی ہانی بن عروہ جن کے ہم رکاب بارہ ہزار مسلح سوار ہوتے تھے اور جن کے قتل کی غلط خبر سننے پر دارالامارہ کھینچی ہوئی تلواروں کے حلقے میں آگیا تھا آج مشکیں کسے ہوئے بازار میں لائے جا رہے ہیں اور وہ پکار رہے ہیں کہ

"وامذحجاه ولامذحج لی الیوم وامذحجاه واین منی مذحج"

کہاں ہیں میرے قبیلہ والے بہادر بنی مذحج! ہائے افسوس آج میرے لیے مذحج نظر نہیں آتے۔"

لیکن کوئی ایک متنفس بھی اُن کی طرف رُخ کرتے دکھائی نہیں دیتا، یہاں تک کہ ابن زیاد کا غلام ترکی اپنی تلوار سے اُن کے سر و تن میں جدائی کر دیتا ہے۔

یہی عبرت خیز مناظر وہ ہیں جو دُنیا کی ہر حقیقت کو مجاز اور واقعیت کو اعتبار قرار دینے کا تخیل پیدا کر دیتے ہیں اور جاہ و ثروت یا قوم و قبیلہ کی کثرت پر اعتماد کو غلط سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں۔

شیعیانِ اہلبیتؑ اور حسینؑ بن علیؑ کے ہمدرد جو مٹھی بھر سے زیادہ نہ تھے اس وقت عجب عالم میں تھے۔ اُن کو چھپنے کے لیے گوشوں کی تلاش تھی جن کا ملنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ ابن زیاد کو معلوم تھا کہ عن قریب حسینؑ بن علیؑ تشریف لانے والے ہیں اور اگرچہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں لیکن اُن کے آنے سے کہیں پھر انقلاب پیدا نہ ہو جائے لہٰذا اُس نے تلاش کر کے جن جن اشخاص سے اندیشہ ہو سکتا تھا انھیں قید کرنا شروع کیا۔ چنانچہ مختار بن ابو عبیدہ ثقفی جو مسلم کے خروج کے موقع پر کوفہ میں موجود نہ تھے اور اُسی دن اطلاع پا کر آئے لیکن ایسے وقت پہنچے کہ مسلم کی جنگ ختم ہو چکی تھی اور عمر بن حریث نے رایت امان بلند کیا تھا کہ جو شخص اس کے نیچے چلا آئے اُس کا جان و مال محفوظ ہے لیکن مختار کو امان نہ مل سکی اور وہ پابہ زنجیر کر دیے گئے اور اسی طرح عبداللہ بن حارث بن نوفل اور دیگر اشخاص۔

اُدھر حاکم اعلیٰ یزید نے بھی مسلم بن عقیل کے قتل کی خبر معلوم ہونے کے بعد ابن زیاد کو حسینؑ بن علیؑ کے قصد عراق پر مخصوص طور سے توجہ دلاتے ہوئے لکھا:

"انہ قد بلغنی ان الحسین بن علی قد توجہ نحو العراق فضع المناظر والمسالح واحترس علی الظن وخذ علی التھمۃ۔"

مجھ کو خبر معلوم ہوئی ہے کہ حسینؑ بن علیؑ عراق کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں، اب تم ہوشیاری کے ساتھ جاسوس مقرر کرو اور سنگر بناؤ اور وہم و گمان بھی خطرہ کا ہو تو اُس سے تحفظ کرو، اور بدگمانی جس پر ہو اُسے فوراً گرفتار کر لو۔ (طبری جلد ۶ صـ ۲۱۵)

اب کیا تھا، قید و بند کا سلسلہ جاری ہو گیا اور جیل خانے قیدیوں سے چھلکنے لگے۔ اس سیاست کی نوعیت کا اندازہ ابن زیاد کی اُس تقریر میں جو یزید کی ہلاکت کے موقع پر اُس نے کی ہے اس فقرہ سے ہوتا ہے:

" وما ترکت لکم ذا ظنة اخافه علیکم الا وھو فی سجنکم۔"

کوئی ایسا شخص نہیں جس پر گمان بھی ہو سکتا تھا کہ وہ حکومت کی مخالفت کرے گا مگر یہ کہ وہ قید خانہ کے اندر ہے۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸)

نیز اُس گفتگو سے جو اُس موقع پر جب کہ وہ بعد ہلاکت یزید بصرہ سے فرار ہو کر دمشق جا رہا تھا راستے میں یساف بن شریح یشکری سے کی ہے جس میں اُس نے کہا:

"کنت اقول لیتنی کنت اخرجت اھل السجن فضربت اعناقھم۔"

میں ابھی اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش میں نے اُن لوگوں کو جو قید خانہ میں بند تھے نکال کر گردن زدنی کا حکم دے دیا ہوتا (اس لیے کہ وہی لوگ بعد میں انقلاب کا سبب ہوئے) جلد ۲ صفحہ ۲۰

اس صورت سے حکومت کی طرف سے شہر کے داخلی حالات پر پورا قابو حاصل کر لیا گیا جس کے بعد کسی متنفس میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ مخالفت کا نام بھی زبان پر لائے۔ اب اُس کی توجہ خارج کی طرف ہوئی کہ کہیں بصرہ اور مدائن اور

دیگر اطراف کے لوگ کہ جہاں شیعہ کافی تعداد میں ہیں آکر کوئی دراندازی نہ کریں، نیز حسینؑ بن علیؑ کہ جن کا آنا قریبی زمانہ میں یقینی ہے ان کے ساتھ کسی ساز باز کے لیے کوئی جماعت باہر نہ رہ جائے۔

اس کے لیے حدود کی ناکہ بندی ہوئی اور قادسیہ میں جو حجاز وعراق و شام کے خطوط سیر کا محل اجتماع تھا کئی ہزار سواروں کے ساتھ حصین بن تمیم کو مقرر کیا گیا جو اب تک کوتوالِ شہر کی حیثیت رکھتا تھا اور واقصہ سے لے کر قطقطانہ، لعلع اور خفان اور اطراف وجوانب میں جو شام اور بصرہ کے راستے تھے اُن سب میں لشکر پھیلا دیا گیا یہاں تک کہ نہ کوئی شخص آسکتا تھا اور نہ باہر جا سکتا تھا۔ چنانچہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر جو امام حسینؑ کے فرستادہ اہلِ کوفہ کے نام خط لے جا رہے تھے وہ اسی قادسیہ میں پہنچ کر حصین کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور خود حضرت سیّد الشہداؑ جب ان حدود میں پہنچے اور صحرائی عربوں سے حالات کو دریافت کیا تو انھوں نے کہا:

"لا واللہ ما ندری غیرا فالا نستطیع ان نلج ولا نخرج۔"

"خدا کی قسم ہمیں اور کچھ نہیں معلوم لیکن اتنا ہے کہ ہم نہ اندر جا سکتے ہیں اور نہ باہر نکل سکتے ہیں۔"

حُر بن یزید ریاحی جو ایک ہزار لشکر سے امام حسینؑ کا سد راہ ہوا تھا وہ بھی اسی فوج میں سے تھا کہ جو قادسیہ میں حصین کی سرکردگی میں مقرر تھی۔ یہ سب اسی لیے

تھا کہ کوئی امام حسینؑ کی مدد کے لیے کوفہ سے نہ آسکے، یہاں تک کہ طرماح بن عدی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ جب کوفہ سے غیر معروف راستے سے آکر امام حسینؑ کے ساتھ ملحق ہوئے ہیں اُس وقت حر نے آکر حضرت سے کہا کہ

" یہ لوگ جو اہل کوفہ سے ہیں آپ کے ساتھ مکہ سے نہیں آئے ہیں لہٰذا میں ان کو گرفتار کرتا ہوں یا کوفہ واپس جانے پر مجبور۔"

لیکن حضرت کے اس فرمانے پر کہ

" اب جب کہ یہ میرے پاس پہنچ گئے ہیں تو میرے ہی اصحاب و انصار میں داخل ہیں اور اب ان کی حفاظت مجھ پر فرض ہے لہٰذا ناممکن ہے کہ میں ان کو تمہارے سپرد کر دوں۔"

اُس کو ساکت ہونا پڑا۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۳۰)

اس موقع پر جب کہ امام حسینؑ کربلا میں پہنچ چکے تھے خود ابن زیاد نے کوفہ سے نکل کر نخیلہ میں اپنا مرکز قرار دے لیا تھا اور وہیں افواج کا معائنہ ہوتا تھا اور انھیں ترتیب دے کر کربلا روانہ کیا جاتا تھا۔ (تصدیق کے لیے دیکھیے طبری جلد ۷ صفحہ ۴۴)

وہ لوگ جو ابن زیاد کی طرف سے روانہ کیے جاتے تھے اُن میں سے بعض امام حسینؑ سے جنگ کو ناپسند کرتے ہوئے لشکر سے نکل کر کوفہ واپس جاتے تھے اس کے لیے ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمٰن منقری کو کچھ سواروں کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ جو ایسا شخص وہاں ملے اُس کو گرفتار کر کے روانہ کیا جائے۔ سوید نے ایک شخص کو اہلِ شام میں سے جو کوفہ اپنے ذاتی معاملہ کے لیے آیا تھا گرفتار کر کے ابن زیاد

کے پاس بھیجا اور اُس نے ہیبت قائم کرنے کے لیے اُس کو قتل کرا دیا جس کے بعد وہ تمام لوگ جو ٹھہر گئے تھے نکل کر کربلا روانہ ہو گئے۔ (الاخبار الطوال ص۲۵۲)

ان اہتمامات سے صریحی طور پر چند نتیجے مرتب ہوتے ہیں :

(۱) کوفہ کی جماعت شیعہ میں جو حسینؑ کی ہم درد ہو سکتی تھی اور جن کو نصرت کا خیال ہو سکتا تھا ایک کثیر تعداد پابہ زنجیر کر لی گئی تھی۔ اور اس طرح نہ معلوم کتنے باہمت اور پُر جگر اشخاص ہوں گے جو اگر باہر ہوتے تو اپنی جان حسینؑ پر نثار کرتے لیکن اس موقع پر وہ تاریک و تار زندان میں مقید تھے۔

(۲) حدود کی ناکہ بندی اور راستوں کے انسداد نے کوفہ کے سہے سہے اشخاص کے لیے جن میں جذبۂ نصرت حسینؑ ہو سکتا تھا حضرت تک پہنچنے کو دشوار سے دشوار تر بنا دیا تھا اگر وہ آنے کا قصد کرتے بھی تو یقیناً نخیلہ میں جو بالکل کوفہ کے نکڑ پر کربلا کے راستے میں تھا گرفتار کر لیے جاتے یا آگے بڑھ کر قادسیہ اور خفان و قطقطانہ و لعلع کی منزل پر وہ دست گیر ہو جاتے۔

(۳) ابن زیاد کی طرف سے یہ اہتمام تھا کہ کوئی جنگ آزما شخص کوفہ میں ایسا باقی نہ رہ جائے جو حسینؑ کی جنگ کے لیے نہ نکلے اور اس طرح اُن افراد کے لیے جو حسینؑ کے مقابلہ سے نفرت کرتے تھے اس جرم سے حفاظت بھی تلفِ جان و مال کی ضامن بن گئی تھی۔

لیکن باوجود ان دشواریوں کے، ان ہمت شکن مشکلات کے، ان طاقت رُبا مصائب کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ افراد شیعہ جو حسینی دعوت کے بانی و مبلّغ اور اس تحریک کے داعی و مروّج تھے، جنھوں نے وفاداری کا اقرار اور جاں بازی کا عہد کیا تھا

کسی نہ کسی طرح حسینؑ بن علیؑ تک پہنچ گئے، اور اپنی جانیں اُن کے قدموں پر نثار کیں۔

یاد کیجیے وہ وقت کہ جب مسلم بن عقیل نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا تھا تو کون لوگ تھے اس وقت تقریر کر کے عہد نصرت و فداکاری کرنے والے؟ بے شک وہ تین آدمی تھے، عابس بن ابی شبیب شاکری۔ حبیب بن مظاہر اور سعید بن عبداللہ حنفی۔

کون تھا مسلم بن عقیل کا وکیل و نائب اور رازداری کے ساتھ حسینؑ کی بیعت لینے والا؟ یقیناً وہ مسلم بن عوسجہ اسدی تھے۔

کون تھا مسلم کے ادارہ اسلحہ کا منتظم اور جمع اموال کا موتمن و معتمد؟ بلاشبہ وہ ابو ثمامہ صائدی تھے۔

پھر کیا یہ وہ لوگ نہیں ہیں جنھوں نے ثبات قدم و استقلال کے ساتھ آخر نفس تک حسینؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا اور آخر اُن کی لاشیں حسینؑ کے قدموں پر خاک و خون میں تڑپتی ہوئی نظر آئیں۔

ان کے علاوہ بھی حسینی جماعت میں زیادہ تر کوفہ کے شیعہ تھے جیسے بریر بن خضیر حافظ قرآنِ مجید جن کو دیکھ کر لشکر عمر سعد میں کہا گیا تھا:

"ان هذا برير بن خضير القارى الذى كان يقرئنا القرآن فى المسجد۔"

یہ تو وہی بریر بن خضیر ہیں جو ہم کو مسجد میں بیٹھ کر قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ (طبری جلد ۶ ص ۲۴۷)

اور انس بن حارث اسدی صحابیِ رسولؐ جن کا تذکرہ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں کیا ہے، ابن اثیر کا قول ہے کہ

"عدادہ فی الکوفیین وکان جاء الی الحسین عند نزولہ فی کربلاء والتقی معہ لیلاً فیمن ادرکتہ السعادۃ"

ان کا شمار اہلِ کوفہ میں ہے اور یہ امام حسینؑ کی خدمت میں پہنچے تھے اُس وقت جب آپ کربلا میں اُتر چکے تھے اور شب کے وقت حضرت کے پاس پہنچے اُن لوگوں کے ذیل میں جن کے بخت نے یاوری کی تھی۔

اور نافع بن ہلال جملی جو کوفہ کے قبیلۂ مذحج سے تھے اور حنظلہ بن اسعد شبامی اور یزید بن زیاد بن مہاصر ابو الشعثاء کندی، مجمع بن عبد اللہ عائذی، عائذ بن مجمع، عمر بن خالد صیداوی، جنادہ بن حارث سلمانی، سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی، موقع بن ثمامہ اسدی صیداوی، سیف بن حارث بن سریع ہمدانی، مالک بن عبد اللہ بن سریع، سوار بن منعم ہمدانی، عمر بن قرظہ انصاری، قیس بن عجلان انصاری، عبد اللہ بن بشر خثعمی، حارث بن امراء القیس کندی، بشر بن عمر کندی، عبد اللہ بن عروہ و عبد الرحمٰن بن عروہ غفاریین، عبد اللہ بن عمیر کلبی، سالم بن عمیر کلبی، مسلم بن کثیر ازدی، رافع بن عبد اللہ ازدی، قاسم بن حبیب ازدی، زہیر بن سلیم ازدی، نعمان بن عمرو، حلاس بن عمرو ازدی،

مسعود بن حجاج تیمی، بکر بن حی تیمی، جوین بن مالک تیمی، عمر بن ضبیعہ تیمی، حباب بن عامر تیمی، امیّہ بن سعد طائی، ضرغام بن مالک ثعلبی، کنانہ بن عتیق تغلبی، قاسط بن زہیر، کردوس بن زہیر، مقسط بن زہیر تغلبیین اور رجبلہ بن عسلی شیبانی وغیرہ۔

یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی جان پر کھیل کر عہدِ وفا کو پورا کرنے کے لیے اپنے کو کسی نہ کسی طرح حسینؑ کے قدموں تک پہنچا دیا لیکن جو لوگ شیعی جماعت میں سے حسینؑ بن علیؑ کی نصرت کے لیے نہ پہنچے یا نہ پہنچ سکے ان میں سے کبھی کسی متنفس کا حسینؑ کے مقابلہ میں کربلا میں موجود ہونا پایا نہیں جاتا، بلکہ تاریخی نصوص و شواہد متفقہ طور پر اُن کو قاتلان امام حسینؑ سے علیحدہ بتا رہے ہیں۔ حافظ محمد بن جریر طبری کا بیان ہے:

"لما قتل الحسین بن علی و رجع ابن زیاد من معسکره بالنخیلة فدخل الکوفة تلاقت الشیعة بالتلاوم والتندم و رأت انها قد اخطأت خطأً کبیرا بدعائهم الحسین الی النصرة و ترکهم اجابته و قتله الی جانبهم لم ینصروه و رأوا انه لا یغسل عارهم والاثم عنهم فی مقتله الا بقتل من قتله او القتل فیه۔"

جب حسینؑ بن علیؑ قتل ہوگئے اور ابن زیاد اپنے لشکر گاہ سے جو نخیلہ میں قرار دیا گیا تھا، واپس جا کر کوفہ میں داخل ہوا تو

شیعوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کرکے ایک دوسرے پر
ملامت اور اپنی کمزوری پر ندامت کا اظہار شروع کیا، اور
وہ سمجھے کہ ہم سے بڑا جرم ہوا کہ ہم نے حسینؑ کو نصرت کے وعدہ
پر دعوت دی، پھر جب وہ آئے تو ہم اُن کی نصرت کو نہ گئے اور
وہ ہمارے پڑوس میں قتل کر ڈالے گئے اور ہم نے کچھ اُن کی مدد
نہ کی اور انھوں نے دیکھا کہ یہ عار و ننگ ہم سے دور نہیں ہو سکتا
مگر اس طرح کہ ہم ان لوگوں کو جو اُن کے قتل میں شریک ہوئے ہیں
قتل کریں یا خود اس سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔"

(طبری جلد ۷ صفحہ ۴۷)

کیا اس عبارت سے صاف طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ شیعہ جماعت قاتلانِ
امام حسینؑ کی جماعت سے جداگانہ تھی اور پہلی جماعت پر جو الزام ہے وہ یہ کہ
انھوں نے مدد نہیں کی اور دوسری جماعت وہ ہے جسے قتل کرنے کو وہ اپنے جرم
کا کفارہ سمجھتے ہیں۔

پھر سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا، اس موقع پر مسیب
بن نجبہ نے جو تقریر کی ہے وہ یہ ہے:

"ہم بہت اپنی سچائی پر ناز رکھتے تھے اور اپنی جماعت شیعہ
کی مدح و ثنا کیا کرتے تھے، لیکن خدا نے ہمارا امتحان لیا اُس وقت
معلوم ہوا کہ ہمارے دعوے غلط ہیں۔ ہم نے حسینؑ کو دعوت دی، اُن
کے پاس پیغام بھیجے کہ آئیے ہم مدد کریں گے۔ لیکن جب وہ آئے تو

ہم نے اپنی جانوں کو چھپایا یہاں تک کہ وہ ہمارے پڑوس میں قتل ہو گئے، نہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے اُن کی نصرت کی اور نہ اپنی زبان سے اُن کی حمایت کی اور نہ اموال سے اُن کو تقویت پہنچائی اور نہ اپنے قبیلہ کو اُن کی نصرت پر آمادہ کیا، اب خدا اور رسول کو کیا جواب دیں گے جب کہ ہمارے ملک میں فرزند رسول کو قتل کر ڈالا گیا بیشک ہمارا کوئی عذر سننے کے قابل نہیں لیکن اب یہ موقع ہے کہ اُن کے قاتل کو اور جن لوگوں نے اُن کے قتل میں شرکت کی ہے انھیں قتل کریں یا اسی سلسلہ میں اپنی جانیں نثار کر دیں۔ (ص ۴۰)

یہ بھی صریحی طور پر اس کی دلیل ہے کہ قاتلان حسینؑ یا قتل حسینؑ میں شرکت کرنے والی جماعت، جماعت شیعہ سے کوئی تعلق نہ رکھتی تھی۔

اس کے بعد جب سلیمان بن صرد اس جماعت کے قائد اعظم کی حیثیت سے منتخب ہو گئے تو انھوں نے جو تقریر کی اور جس کو وہ برابر ہر جمعہ میں دُہرایا کرتے تھے اُس کا مختصر اقتباس یہ ہے :

" انّا کنا نمدّ اعناقنا الی قدوم آل نبینا ونمنیھم النصر ونحثّھم علی القدوم فلما قدموا ونینا وعجزنا وادھنّا وتربصنا وانتظرنا ما یکون حتی قتل فینا ولدینا ولد نبیّنا وسلالتہ وعصارتہ وبضعۃ من لحمہ ودمہ اذ یستصرخ ویسأل النّصف فلا یعطاہ اتخذہ الفاسقون غرضا للنّبل

ودريّة للرّماح حتى اقصدوه ‘‘

ہم لوگ گردنیں اُٹھا اُٹھا کر اشتیاق کے ساتھ اہلِ بیتِ رسولؐ کی تشریف آوری کے منتظر تھے اور اُن کو نصرت کی اُمیدیں دلاتے تھے اور آنے پر آمادہ کرتے تھے، لیکن جب وہ آئے تو ہم نے کمزوری کی اور عاجز رہے اور سستی کو کام میں لائے اور منتظر رہے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے ملک میں اور ہمارے قریب ہی فرزندِ رسولؐ قتل کر ڈالے گئے، جب کہ وہ فریاد کر رہے تھے لیکن کوئی انصاف سے کام نہ لیتا تھا۔ فاسقین کی جماعت نے اُن کو اپنے تیروں کا نشانہ اور نیزوں کا سرِ مشق بنا لیا یہاں تک کہ اُنھیں شہید کر ڈالا۔ (ص ۴۹)

اِس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ کوفہ ہی میں رہ گئے تھے اور قتلِ حسینؑ میں شرکت کرنے والی جماعتِ فاسقین ان سے جداگانہ ہے۔

پھر وہ موقع کہ جب یزید ہلاک ہوا اور سلیمان بن صرد کے پاس شیعی جماعت کے بہت سے افراد نے آکر کہا کہ اس وقت حکومت کے ارکان میں تزلزل ہے یہی موقع ہے کہ ہم انتقام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور اُن کے قاتلوں کو چُن چُن کر قتل کریں اُس وقت سلیمان نے جو تقریر کی وہ یہ ہے،

’’ انی قد نظرت فیما تذکرون فرأیت ان قتلة الحسین هم اشراف اهل الکوفة وفرسان العرب وهم المطالبون بدمه ومتی علموا ما تریدون و

علموا انهم المطلوبون کانوا اشد علیکم ونظرت فیمن تبعنی معکم فعلمت انهم لو خرجوا لم یدرکوا ثارهم ولم یشفوا انفسهم ولم ینکوا فی عدوهم وکانوا لهم جزرا ولکن بثوا دعاتکم فی المصر الخ

"میں نے اس معاملہ میں غور کیا تو یہ دیکھا کہ قاتلان حسینؓ کوفے کے سربرآوردہ اشخاص اور شیوخ و اشراف قبائل ہیں اور اُن ہی پر حسینؓ کے قتل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور جب انھیں تم لوگوں کے ارادہ کی خبر ہوگی اور یہ معلوم ہوگا کہ اُس کا اثر اُن پر پڑے گا تو وہ سختی سے تمہاری مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے اور میں نے اندازہ کیا اُن لوگوں کا جو میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی تعداد میں ہیں کہ اُن کے خروج کرنے سے نہ تو انتقام لیا جا سکتا ہے اور نہ مقصد حاصل اور نہ دشمن کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے بلکہ یہ لوگ گوسفند کی طرح کاٹ کر ڈال دیے جائیں گے۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ تم اپنے دعاۃ و مبلغین اطراف و اکناف میں روانہ کر کے لوگوں کو اپنی موافقت پر آمادہ کرو۔"

(طبری جلد ۷ ص ۵۲)

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قتل حسینؓ کے ذمہ دار اشخاص شیوخ و اشراف قبائل تھے جن کی مذہبی حقیقت مختصر طور پر ہم نے سابق میں واضح کر دی اور یہ کہ جماعت شیعہ کو اُن سے کوئی تعلق نہ تھا۔ نیز اس شیعی جماعت کی حوکو نہ

میں موجود تھی تعداد بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ وہ کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتی تھی پھر وہ تقریر جو عبیداللہ بن عبداللہ مری کی زبان سے تاریخ میں درج ہے اس میں بھی ہے کہ:

" فقتله عدوه وخذله وليه فويل للقاتل و ملامة للخاذل ان الله لم يجعل لقاتله حجة و لا لخاذله معذرة الا ان يناصح لله فى التوبة فيجاهد القاتلين وينابذ القاسطين "

" فرزند رسول کے لیے دشمن قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے اور دوستوں نے ان کی مدد نہ کی، پس عذاب کے مستحق ہیں اُن کے قاتل اور سرزنش کے لائق ہیں اُن کے چھوڑ دینے والے، نہ اُن کے قاتل کے لیے خدا کے یہاں کوئی حجت ہے اور نہ اُن کے بے مدد گار چھوڑنے والوں کا کوئی عذر قابل سماعت ہے مگر یہ کہ وہ اب سچے دل سے توبہ کر کے اُن کے قاتلوں سے جہاد کریں اور ظالموں سے جنگ کریں۔"

(صفحہ ۵۲)۔

وہ وقت کہ جب یہ لوگ بہ عزم جہاد کوفہ سے کربلائے معلّٰی آئے ہیں اس موقع پر مثنیٰ ابن مخربہ نے جو تقریر کی تھی اس میں یہ فقرات قابل توجہ ہیں:

" قد قتلهم قوم نحن لهم اعداء و منهم براء وقد خرجنا من الديار والاهلين والاموال ارادة استيصال من قتلهم "

"حسینؑ و انصارِ حسینؑ کو ایک ایسی جماعت نے قتل کیا
جن کے ہم دشمن اور جن سے ہم بیزار ہیں اور اب ہم اپنے اہل و عیال
کو چھوڑ کر اپنے گھر سے اس لیے نکلے ہیں کہ اُن کے قاتلوں کے رگ و
ریشہ کو فنا کر دیں۔" (صفحہ ۲۷)

اِن تاریخی نصوص و شواہد سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے
کہ جماعت شیعہ میں سے کوئی شخص بھی قتل امام حسینؑ کے لیے کربلا میں موجود
نہ تھا۔

بے شک ان پر جو سب سے بڑا جرم عائد ہو سکتا ہے جس کے وہ خود
معترف تھے وہ نصرت حسینؑ سے کنارہ کشی کرنا اور حضرت پر اپنی جانیں
نثار کر دینے میں کوتاہی کرنا اگرچہ یہ جن اسباب و علل اور مشکلات و موانع پر
مبنی تھا اُن کو کافی توضیح کے ساتھ حوالۂ قلم کیا جا چکا ہے ہم اس کو جُرم
تسلیم کرنے پر تیار ہیں، لیکن اس جرم سے سنگین تر نہیں کہ رسولؐ کو میدانِ
جنگ میں دشمنوں کے نرغے میں تنہا چھوڑ کر اپنی جان کی حفاظت کے لیے
فرار کریں یا جمہوری نقطۂ نظر سے اپنے مانے ہوئے خلیفہ کو خود دارالخلافہ اور مرکز حکومت کے
اندر حملہ آور فوجوں کے حلقے کے اندر محصور چھوڑ کر تماشا دیکھتے رہیں
اور اُن کے قتل ہو جانے کے تین دن بعد تک اُن کی لاش دفن کرنے تک کی جرأت
نہ کریں۔

یاد رہے کہ رسولِ اکرمؐ کے ساتھ صحابۂ کرام میں سے جنگِ اُحد میں پندرہ بیس
آدمی بھی نہ رہے تھے اور جنگ حنین میں بارہ سے زیادہ لڑائی میں نہ ٹھہرے

تھے، اور یوم الدار حضرت عثمان کی مدد کے لیے اُن کی ماننے والی جماعت میں سے بیس۲۰ آدمی بھی جان نثار دکھلائی نہ دیتے تھے لیکن فرزند رسولؐ حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جماعتِ شیعہ میں سے عزیز و اقارب چھوڑ کر کم از کم چوّن ۵۴ آدمی جانیں قربان کرنے والے نکل آئے تھے۔

کیا اس کے بعد بھی غیرت کا تقاضا ہے کہ جماعتِ شیعہ کو حسینؑ کی نصرت میں کوتاہی کا طعنہ دیا جائے یا اس سے بڑھ کر اُن پر قتل حسینؑ کا غلط اور بے بنیاد الزام لگایا جائے۔ والسلام

علی نقی النقوی عفی عنہ (لکھنؤ)

محرم ۱۳۵۱ھ

قاتلانِ حسینؑ کی روپوشی کے بہانے

یا

قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ کہنے والوں کے دلائل

خیالات کا اختلاف اگر سچائی اور حقیقت پروری پر مبنی ہو تو ان کا ایک نقطۂ اتحاد پر مجتمع ہو جانا کوئی دشوار نہیں، با اُصول اور آمیزۂ بحث و تحقیق اور دل نشیں ادلّہ و براہین کا طاقتور دباؤ یقیناً انصاف کی شرط کے ساتھ مختلف آراء و افکار کو ایک صحیح مرکز پر لا سکتا ہے۔ لیکن جب خیالات جذبات کے ماتحت اور اقوال سخن پروری و تعصب نفسانی کے پابند ہوں تو انکی شکست کبھی شکست نہیں قرار پاتی۔ باطل شکن دلائل کی ہزار زدوں پر آنے کے بعد تیوریوں پر بل نہیں آتے، گویا گر و کھی جڑ کہ جھڑ گئی۔ مرغ کی ایک ٹانگ کے بجائے دو ٹانگیں ہو جائیں ناممکن ہے۔ اس قسم کے خیالات کی پہچان

یہ ہے :-

(۱) اکثر دلائل میں مصادرہ علی المطلوب کی جھلک نمایاں ہو یعنی اُلٹ پھیر کرکے خود دعوے کو دلیل میں پیش کر دیا جاتا ہو۔

(۲) کہی ہوئی باتیں جن کا جواب ہو چکا ہے الفاظ کو ادل بدل کر پھر پیش کر دی جائیں تاکہ گفتگو کا سلسلہ قطع نہ ہو اور عوام کی نظروں میں اپنی کم مایگی دہتی دستی کا مظاہرہ نہ ہونے پائے۔

(۳) سلسلۂ بحث میں غواہ مخواہ خارج از بحث باتوں کو چھیڑ کر عام افراد کے دماغوں کو اُلجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ اصلی نقطۂ بحث کے متعلق صحیح رائے سہولت سے قائم نہ کر سکیں۔

(۴) علمی و مذہبی باتوں میں ذاتیات کا سوال درمیان میں لا کر اور مخاطب کی شخصیت پر حملہ کرکے محاذ جنگ کو بدلنے کی کوشش کی جائے۔

(۵) عقل و منطق اور تاریخ و حدیث کے قطعی ادلّہ سے کنارہ کشی کرکے خطابیات کے دامن میں پناہ لی جائے اور عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اُٹھا کر ایسی سطحی باتیں پیش کر دی جائیں جن پر جاہل عوام آمنّا و صدّقنا کہہ دیں، چاہے حقیقت شناس اور باخبر افراد اُن کو کتنا ہی سبک اور غیر وقیع خیال کریں۔

قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ بنانے کے جو دلائل ہمارے پیشِ نظر ہیں اُن میں ایسے ہی عناصر کارفرما ہیں اور یہ خصوصیات اُن میں نمایاں طور پر نظر آ رہے ہیں جن کا احساس باخبر افراد خود کر سکتے ہیں۔

ان دلائل کا مناظرانہ جواب تو قوم کے مناظرین کا حق ہے جس کو وہ خوب

ادا کر رہے ہیں۔ لیکن میں تو اپنے مسلک کا پابند رہتے ہوئے جو مناظرے سے تعلق نہیں رکھتا ان دلائل پر ایک اجمالی روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ یہ دلائل ایک بحث کے محققانہ فیصلے کے لیے کہاں تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔

پہلی دلیل نہج البلاغہ کے وہ اقتباسات جن میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے ساتھیوں کی بے وفائی اور بدسلوکی کا اظہار فرمایا ہے اور اُن کی شکایت کی ہے۔ اُن کو نافرمان، بے وفا، بزدل، خائن، مفسد، حیلہ ساز، بدعہد، ناقابل اعتماد، بے غیرت وغیرہ وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے۔ پھر جب شیعوں کی یہ حالت ہے تو اُن سے قتل حسینؑ کیا مستبعد ہے۔ جو لوگ حضرت علیؑ کے ساتھ یہ برتاؤ کر سکتے ہیں وہ امام حسینؑ کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ اُس سے بڑھ کر کر سکتے ہیں۔"

اِس استدلال کی منطقی کمزوری اور اساسی بے بنیادی سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف اس غلط فریبی پر توجہ کیجیے کہ امیر المومنینؑ نے جن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے وہ شیعہ تھے۔

اور لطف یہ ہے کہ یہ شایع کیا گیا ہمارے اسی رسالے "قاتلانِ حسینؑ کا مذہب" کے دوسرے ایڈیشن کے بعد جس میں ایک مستقل باب " عام اہل کوفہ کا مذہب" کے عنوان سے درج کیا جا چکا ہے۔

اب رسالے کا یہ ایڈیشن آپ کے سامنے ہے، اس میں نکال کر

اُس باب کا مطالعہ کیجیے اور پھر خیال کیجیے کہ اُس جواب کے بعد اس سوال کا دہرانا اپنی استدلالی بے مائیگی کا ثبوت دینا نہیں تو کیا ہے ؟ اُس میں ہم نے بہت سلجھے ہوئے الفاظ میں دو تنقیحیں قائم کر دی ہیں :

(۱) حضرت علیؑ کی بیعت کر کے آپ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہونے والوں نے آپ سے رسُولؐ کے بعد بہ حیثیت وصیِ برحق و خلیفہ بلا فصل بیعت کی تھی یا پہلے دو کے بعد تیسرے دور کے بعد بہ حیثیت خلیفۂ رابع کے ؟

(۲) حضرت علیؑ کو خلیفۂ چہارم ہونے کی حیثیت سے امام تسلیم کرنے والا کس مذہب کا شخص ہو سکتا ہے ؟

دونوں باتوں کا جواب ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت علیؑ کو ظاہری خلافت کے دور میں چوتھے ہی درجہ پہ تسلیم کیا گیا تھا اور آپ کے ساتھی بہ حیثیت خلیفۂ رابع ہی کے آپ کی اطاعت کے فرض کو انجام دے رہے تھے اور یہ بھی واضح ہے کہ حضرت امیرؑ کو چوتھے نمبر پر خلیفہ سمجھنے کا عقیدہ مذہب اہلسنت سے تعلق رکھتا ہے اب بتلائیے کہ حضرت علیؑ کو اپنے اصحاب سے جو شکایتیں پیدا ہوئیں اور جو افسوس ناک صورتیں پیش آئیں اُن کی ذمہ داری کس جماعت پر عائد ہوتی ہے ؟

خود نہج البلاغہ میں حضرت امیر المومنینؑ نے جس طرح اپنے ساتھیوں کی شکایتیں کی ہیں اور اُن سے طرح طرح کی بیزاری کا اظہار کیا ہے اسی طرح ان کے مذہب پر بھی روشنی ڈال دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ وہ آپ کی ہوا خواہی کا دم کس عقیدے کی بنا پر بھرتے تھے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو نہج البلاغہ مطبوعہ مصر حصّہ

بر حاشیۂ مفتی دیار مصریہ شیخ محمد بن عبدہ جلد ۲ ص :

" انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد و انما الشوری للمہاجرین والانصار ۔"

" میری بیعت کی انھیں لوگوں نے جنھوں نے بیعت کی ابوبکر و عمر و عثمان کی اسی اصول کی بنیاد پر جس پر ان کی بیعت کی تھی، لہذا اس اصول کے لحاظ سے موقع پر موجود رہنے والے کو دوبارہ نظر ثانی کا حق نہ تھا اور نہ ایسے شخص کو جو موجود نہ تھا اس فیصلے کے مسترد کرنے کا حق پیدا ہو سکتا ہے اور شوریٰ مہاجرین و انصار کے ساتھ مخصوص ہے ۔"

اب تو امیر المومنین کے ساتھ والوں کا مذہب بے نقاب ہو گیا اور معلوم ہوا کہ وہ شکایتیں اور مذمتیں جو آپ نے اپنے اصحاب کی فرمائی ہیں شیعی افراد سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں، اسی سے

دوسری دلیل کی حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے جس کو بڑے شد و مد سے "حضرت امام حسنؑ کے ساتھ شیعوں کی بدسلوکی" کی سرخی سے پیش کیا جاتا ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

" جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جب امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح کر لی تو آپ کے ساتھیوں میں انتہائی اضطراب رونما ہو گیا

اور آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں اور اس بنا پر حضرت نے
بھی اُن کی مختلف الفاظ میں شکایت کی ہے اور اُن کے مظالم کا
تذکرہ کیا ہے۔ پھر جن لوگوں نے حضرت امام حسن کو ایسی ایذائیں دیں
اُن کے قتل کے لیے تیار ہوئے، اُن کو خنجر مارا، اُن کو پکڑ کر حضرت
معاویہ کے حوالے کر دینے کا ارادہ کیا، اُن کا خیمہ لوٹا، اُن کی لونڈیوں
کے زیور اُتار لیے اُن سے امام حسینؑ کے قتل کو مستبعد کہنا کہاں
تک صحیح ہو سکتا ہے۔"

بے شک کچھ مستبعد نہیں ہو سکتا، لیکن امام حسینؑ کے ساتھ اس قسم
کے سلوک کرنے والے کون تھے؟ وہ وہی تھے کہ جنھوں نے حضرت امیرؑ کے دل
کو لہو کر دیا تھا، جن کو حضرت نے نافرمان، بے وفا، حیلہ ساز بدعہد، ناقابل
اعتماد وغیرہ اوصاف سے موصوف فرمایا ہے اور جن کے مذہب کو خود
حضرت نے بایعنی القوم الّذین بایعوا ابا بکر وعمر وعثمان علیٰ ما
بایعوھم علیہ کی لفظوں میں صاف صاف ظاہر فرما دیا۔

حضرت امام حسنؑ کا بعض مواقع پر یہ ارشاد کہ ھؤلاء یزعمون انھم
لی شیعۃ (اینہا دعویٰ می کنند کہ شیعہ من اند) ان لوگوں کا دعویٰ ہے کہ یہ
لوگ میرے شیعہ ہیں" کسی طرح ان کے تشیع کا مظہر نہیں ہے۔

جب علامہ ابن حجر مکی ایسا فرقۂ شیعہ کی مخالفت کا علم بردار صواعق محرقہ
میں تمام اُن احادیث کو جو شیعیان علیؑ اور شیعیان اہلبیتؑ کے متعلق وارد ہوئے
ہیں اپنی جماعت پر منطبق کرتا ہے یہ کہہ کر کہ شیعہ علیؑ اور شیعہ اہلبیتؑ حقیقۃً ہم

ہیں اور بس. تو پھر اسی صورت سے اصحاب امام حسنؑ اپنے کو اگر شیعۂ امام حسنؑ کہتے ہوں تو کیا تعجب ہے

تیسری دلیل اصحاب ائمہ ہمیشہ ائمہ کو ایذا پہنچاتے رہے، زرارہ نے کتاب علیؑ کو دیکھ کر اس کو باطل کہا۔ امام محمد باقرؑ کی نسبت جسارت آمیز الفاظ استعمال کیے، امام جعفر صادقؑ نے ان کو جھوٹا کہا اور ان پر لعنت کی اور انھوں نے امام جعفر صادق کی نسبت نازیبا الفاظ کہے، ابو بصیر نے امام جعفر صادق پر طمع و حرص کا الزام لگایا، ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور خلیفۂ عباسی کے پاس قتل کے لیے حاضر کیا، ماموں رشید نے جو کہ شیعہ تھا صبیح دیلمی کو امام رضا کے قتل پر مامور کیا اور اس نے اس خدمت کو انجام دیا۔"

یہ ہے اجمالی فہرست اُن واقعات کی جنھیں بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے لیکن آخر اس کو قاتلان حسینؑ کے مذہب سے کیا تعلق؟ یعنی زرارہ نے امام محمد باقرؑ کو (بالفرض) برا کہا پس قاتلان حسینؑ شیعہ تھے! ابو بصیر نے امام جعفر صادق کی نسبت سوءِ ادب سے کام لیا تو قاتلان حسینؑ شیعہ ثابت ہوئے۔ ربیع نے امام جعفر صادقؑ کو منصور عباسی کے پاس حاضر کیا تو قاتلان حسینؑ کا شیعہ ہونا ثابت، مامون الرشید نے جس کا شیعہ ہونا بھی کسی مستند دلیل سے نہیں ثابت، امام رضا کو شہید کیا لہذا قاتلان حسینؑ شیعہ تھے!!!

اس قسم کی باتوں کا چھیڑنا اور ان سے بیشتر کتاب کے اوراق کو پُر کرنا صرف اسی لیے ہو سکتا ہے کہ عام افراد کا دماغ اس الجھاؤ میں پھنس کر اصلی نقطۂ

بحث سے علیحدہ ہو جائے اور اُس پر صحیح رائے قائم نہ کر سکے۔

میں اگر ان باتوں سے ہر ایک کا مناظرانہ جواب دینے بیٹھ جاؤں اور اُس پر تاریخ و رجال کی روشنی میں تبصرہ کروں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ میں فریق مقابل کو اس کے مقصد میں کامیاب ہو جانے دیا یعنی حقیقۃً خارجی مباحث میں پڑ کر نقطۂ بحث کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور اصل مسئلہ مبہم کا مبہم رہ گیا۔ اس لیے میں اس کے فیصلہ کن تبصرے کو قوم کے مناظرین کے سپرد کر کے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ان روایات سے زیر بحث مسئلے پر آخر کیا اثر پڑتا ہے؟ اصحاب ائمہ علیہم السلام کے لیے صرف صحابی ہونے کے اعتبار سے فرقۂ شیعہ نے کوئی منزلت عطا نہیں کی ہے، نہ اُن کے متعلق اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم ایسی کوئی حدیث وضع کی ہے بلکہ وہ اصحاب ائمہ کی ذات کو مثل دیگر رواۃ کے علم رجال کے قوانین و ضوابط کے مطابق جرح و تعدیل کا پابند سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

علمائے شیعہ جو زرارہ و ابوبصیر وغیرہ کو مقبول الروایۃ سمجھتے ہیں تو وہ اُن کے متعلق وارد شدہ روایات و حالات کی جانچ پڑتال اور محولۂ بالا روایات کے کسی حیثیت سے ناقابل اعتبار ثابت ہو جانے کے بعد ہے۔ اور جس صورت میں کہ مذکورہ روایات صحیح مان لیے جائیں نہ زرارہ و ابوبصیر کا کوئی وزن ہے اور نہ اُن کی روایات کا کوئی اعتبار، بلکہ علمائے شیعہ کے نقطۂ نظر سے وہ مجروح اور ساقط الاعتبار قرار پا جائیں گے۔

چوتھی دلیل "قاتلانِ حسینؑ کے شیعہ ہونے کے لیے صرف یہ بات کہی

کافی ہے کہ وہ کوفے کے رہنے والے تھے اور کوفی ہونا خود دلیل تشیع ہے
چنانچہ علامہ قاضی نوراللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں
"تشیع اہل کوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد و سنّی بودن کوفی
الاصل خلاف اصل و محتاج بہ دلیل است۔"

اس کے جواب کے لیے پیشگی شایع ہو چکا تھا' ملاحظہ ہو ہمارے اسی رسالے
کے دوسرے ایڈیشن میں ص ۴۹ پر باب " عام اہل کوفہ کا مذہب " جس میں اُن ہی
دونوں تنقیحوں کی بنا پر جو صحاب امیرالمومنینؑ کے تحقیق مذہب میں اس کے قبل
ذکر ہو چکی ہیں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ عام اہل کوفہ کو مذہب شیعہ سے کوئی تعلق نہ
تھا جس کے بعد ہم نے لکھا تھا کہ

" اب کہنے دیجیے قاضی نوراللہ شوستری کو کہ " تشیع اہل کوفہ
حاجت باقامت دلیل ندارد و سُنّی بودن کوفی الاصل خلاف اصل
و محتاج بہ دلیل است " یہ اُن کا ذاتی خیال ہے جس کے وہ خود ذمہ دار
ہیں اور پھر وہ اہل کوفہ کے تشیع کو مطابق اصل قرار دیتے ہوئے اس کے
خلاف پہلو کو محتاج دلیل بتلاتے ہیں اور ہم نے " قاتلان حسینؑ کے مذہب "
پر کافی ادلّہ قائم کرکے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کا شیعہ مذہب سے کوئی تعلق
نہ تھا اس کے بعد اصل کی آڑ پکڑنا بالکل بے اصل ہے۔"

اب فرمائیے کہ قاتلان حسینؑ کے مذہب پر ہمارے ادلّہ کا جواب دیے بغیر' ہماری قائم
کردہ دونوں تنقیحوں کو غلط ثابت کیے بغیر' ہمارے مذکورہ بالا استدلال کو کسی حیثیت سے
توڑے بغیر' پھر قاضی نوراللہ شوستری ہی کی عبارت کو پیش کر دینا کہاں تک حق بجانب ہے؟

پانچویں دلیل "قاتلانِ حسینؑ نے جو خطوط امام حسینؑ کے نام بھیجے اور ان کو بلایا اور امام ممدوح اُن ہی خطوط کی وجہ سے کربلا میں آئے، اُن خطوط میں خود انھوں نے اپنے کو شیعہ لکھا"

اس کے بعد ثبوت میں جلاء العیون، علامۂ مجلسی کی عبارت درج کی گئی ہے جس کا مضمون بالکل وہی ہے جو ہم خود تاریخ طبری کے حوالے سے حوالۂ قلم کر چکے ہیں اور اسی سے ہم نے صورت حالات کو دیکھتے ہوئے کافی بسط و تشریح کے ساتھ حسب ذیل نتائج اخذ کیے تھے:۔

(۱) امام حسینؑ کو کوفے کی جانب دعوت دینے کے بانی اور اس تجویز کے محرک یقیناً وہ افراد تھے جو شیعہ کہے جا سکتے ہیں لیکن ان کی تعداد کوفے میں بہت قلیل تھی۔ بے شک ان کی تحریک کا حالات کی دستیاری کی بنا پر عام خلقت کی طرف سے بھی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا، لیکن وہ کسی عقیدۂ کامل اور صحیح فکر و تدبّر کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایسے اسباب کا جو اتفاقی کہے جا سکتے ہیں اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲) ان افراد کی کوششوں سے کہ جو شیعہ تھے رائے عام کے ہموار ہو جانے کا نتیجہ یہ تھا کہ امام حسینؑ کے پاس خطوط اور عرض داشتوں کی کثرت ہو گئی، یہاں تک کہ ۵۳ عرض داشتیں تیار ہو گئیں جو ایک دو یا تین چار آدمیوں کے دستخط سے تھیں۔ ان کے اصلی بھیجنے والے اگرچہ شیعہ تھے لیکن جن لوگوں کے دستخط تھے اُن سب کا شیعہ ہونا قابل تصدیق نہیں ہے۔

(۳) ان تمام کارروائیوں کے بعد جو اجتماعی حیثیت سے ہوئیں اور جو افراد شیعہ کی جد و جہد کا نتیجہ تھیں، ایک خط کوفے سے امام حسینؑ کے نام بدیں الفاظ گیا کہ

کہ "کھیتیاں لہلہا رہی ہیں اور میوے درختوں میں رسیدہ ہیں اور تالاب لب ریز ہیں پس جب آپ چاہیں تشریف لائیں ایک ایسے لشکر کی جانب جو آپ کے لیے آراستہ موجود ہے۔"

اس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے، شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، یزید بن حارث، یزید بن رویم، عزرہ بن قیس، عمرو بن الحجاج زبیدی، محمد بن عمیر تمیمی۔

(۴) وہ ابتدائی خطوط جماعت شیعہ کے نام سے گئے تھے لیکن اس آخری خط کے لکھنے والوں نے اپنے کو شیعہ نہیں لکھا تھا اور نہ کسی عقیدۂ تشیع کا مظاہرہ کیا بلکہ ہم نے اس کے مضمون کا سابقہ خطوط کے مضمون سے موازانہ کرکے ثابت کر دیا تھا کہ اس خط کا کوئی تعلق اُس جماعت سے معلوم نہیں ہوتا جو امام حسینؑ کو دعوت دینے کے بانی تھے بلکہ یہ خط ایک منظم سازش کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

(۵) اُن خطوط کے بھیجنے والوں میں سے جو جماعت شیعہ کے نام سے گئے ہیں ایک شخص کی بھی موجودگی واقعہ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلے میں پائی نہیں جاتی بلکہ ان میں سے اکثر نے عہد وفا پر عمل کیا اور اپنی جان فرزند رسولؐ پر نثار کر دی۔ برخلاف اس کے آخری خط جس پر سات آدمیوں کے دستخط تھے ان میں سے پانچ کا مسلماً واقعہ کربلا میں موجود ہونا اور قتل امام حسینؑ میں شریک ہونا ثابت ہے اور بقیہ دو کا بھی اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہونا دور از قیاس نہیں ہے۔

اس کا فیصلہ ناظرین کے ہاتھ ہے کہ ہمارے مذکورۂ بالا نتائج کو غلط ثابت کیے بغیر ہمارے مقابلے میں ایسی ہی عبارت کا پیش کر دینا جس کے مضمون سے ہم نے یہ نتائج اخذ کیے ہیں دیدہ دلیری نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ خیال کہ "جن لوگوں نے اپنے کو شیعہ لکھا تھا یا جنھوں نے خطوط روانہ کیے تھے

وہ سب شیعہ ہی تھے اس لیے کہ اگر شیعہ نہ ہوتے تو امام اُن کے قول پر اعتماد نہ کرتے اور دھوکا نہ کھا جاتے، اس لیے کہ ہر امام کو خدا کی طرف سے ایک رجسٹر ملتا ہے جس میں اُن کے شیعوں کے نام بقید ولدیت لکھے ہوتے ہیں۔"

صحیح نہیں ہے اس لیے کہ امام بلکہ پیغمبر کے افعال و اعمال کی بھی بنیاد علم باطن پر نہیں بلکہ علم ظاہر پر ہوتی ہے اور اُن کے فرائض اور احکام بھی اسباب ظاہر کے پابند ہوتے ہیں، لہذا صورت حال کی بنا پر خطوط کے مندرجہ بیانات کو صحیح سمجھنا اور اُس کے مطابق طرز عمل اختیار کرنا ناگزیر تھا لیکن وہ اُن کی حقیقی راستی اور حقانیت کا ذمہ دار نہیں ہے۔ اور اسی سے

چھٹی دلیل کا ذہن بھی معلوم ہوتا ہے کہ " امام حسینؑ نے خود بھی ان خط کے لکھنے والوں کو شیعہ فرمایا۔"

اور اس کے ثبوت میں علامہ مجلسی کا یہ فقرہ درج کیا ہے کہ حضرت نے اپنے اصحاب سے مسلم وہانی کے قتل کی خبر سناتے وقت فرمایا:

"شیعیانِ ما دست از یاریِ ما برداشتند۔" (ہمارے شیعوں نے ہاتھ ہماری مدد سے اٹھالیا)۔

چوں کہ خطوط جو آئے وہ جماعت شیعہ کے نام سے تھے اور چاہے خط لکھنے والوں میں اکثر افراد تشیع سے واسطہ نہ رکھتے ہوں لیکن افراد شیعہ کی تحریک سے وہ بھی اُس وقت حضرت امام حسینؑ کی شیعیت یعنی تابع فرمان ہونے کے دعوے دار تھے لیکن حضرت مسلم کے ورود کے بعد ان حالات کی بنا پر جن کو تشریح کے ساتھ رسالے میں بیان کیا جا چکا ہے انھوں نے مسلم کی مدد نہ کی یہاں تک کہ مسلم شہید ہو گئے تو یہ کہنا

بالکل صحیح ہے کہ "شیعیان ما دست از نصرت ما بر داشتند۔"

لیکن اس سے تمام خط لکھنے والوں کے مذہب پر روشنی نہیں پڑتی۔

پھر اب اگر ان خط لکھنے والوں میں سے کچھ لوگ واقعۂ کربلا میں امام حسینؑ کے مقابلے میں موجود بھی ہوں تو اس سے کیا نتیجہ، جب کہ اُس خط کے متعلق جو سات آدمیوں کے نام سے گیا تھا ہم نے خود اپنے رسالے میں اظہار کیا ہے کہ ان میں سے پانچ آدمی یقیناً واقعۂ کربلا میں موجود تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو اُس لشکر کے سرداروں میں سے بھی تھے لیکن ان لوگوں کی جماعتِ شیعہ سے بے تعلقی پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے۔

پھر اسی بات کو جو خود ہم نے لکھی تھی ہمارے مقابلے میں جلاء العیون مجلسیؒ سے پیش کرنا کہ وہ لکھتے ہیں کہ

"پس (عمر بن سعد) عروہ بن قیس احمسی را طلبید و خواست کہ برسالت بخدمت حضرت بفرستد، چوں آں نامرد از آنہا بود کہ نامہ بحضرت نوشتہ بود از قبول رسالت ابا کرد، بہر یک از رؤساء لشکر کہ می گفت باین علت اِبا می کردند زیرا کہ اکثر از آنہا بودند کہ نامہ بحضرت نوشتہ حضرت را بعراق طلبیدہ بودند۔"

کہاں تک کامیابی کی نشانی قرار پا سکتا ہے۔

بے شک کوفہ کی رائے عام افرادِ شیعہ کی جد و جہد سے امام حسینؑ کے لیے ہموار ہو چکی تھی اور وہ تمام لوگ یزید کی خلافت سے بیزار اور حضرت کی تشریف آوریِ عراق کے آرزو مند تھے اور متفقہ حیثیت سے حضرت کو دعوت دینے میں

شریک تھے اور ان میں سے کثیر تعداد نے حضرت مسلم کے توسط سے آپ کی بیعت بھی کی تھی لیکن بعد میں حالات کے انقلاب نے اُن کے عزائم و نیات میں بھی انقلاب پیدا کر دیا اور وہی تلواریں جو حسینؑ کی نصرت کے لیے تیز کی گئی تھیں حسینؑ سے جنگ میں صرف ہوئیں لیکن اس کی ذمہ داری افرادِ شیعہ پر کہاں تک عائد ہوتی ہے؟ اس کا فیصلہ ہمارے رسالے کے تاریخی بیانات کے مطالعے پر موقوف ہے۔

پھر اگر اہلِ کوفہ کے اس انقلاب حالت کا حوالہ دیتے ہوئے امام حسینؑ نے احتجاج طبرسی کے بیان کے مطابق عام اہلِ کوفہ کو مخاطب کر کے یہ فرمایا بھی ہو کہ :-

"تم نے ہم کو بے قرار ہو کر پکارا اور ہم تمھاری پکار پر تیزی کے ساتھ آئے تو تم نے ہم پر تلوار کھینچ لی۔"

تو اس سے جماعتِ شیعہ کا کیا قصور ثابت ہوتا ہے۔ اُنھوں نے تو اپنا سا کام کر لیا تھا لیکن ہنگامی انقلابات کو وہ کیا کر سکتے ہیں۔ پھر اُنھوں نے اپنے عہد پر عمل بھی کیا اور ان میں سے اکثر افراد نے اپنی جانیں حسینؑ پر نثار بھی کیں جن کا تذکرہ سابق میں ہو چکا۔

امام حسینؑ کی تشریف آوری کے متعلق اہلِ کوفہ کی عام آرزو و خواہش اور دعوت پر نظر کرتے ہوئے امام زین العابدینؑ کا یہ فرمانا بالکل حق بہ جانب تھا کہ

"هل تعلمون انكم كتبتم الى ابى وخدعتموه الخ"

"تم نے میرے والد بزرگوار کو خط لکھا اور اُن کو فریب دیا۔"

لیکن عام اہلِ کوفہ شیعہ کب تھے؟ اور اسی طرح حضرت کا اہلِ کوفہ کو روتے دیکھ کر یہ فرمانا کہ ان هؤلاء يبكون فمن قتلنا غيرهم یہ لوگ ہم پر رو رہے ہیں مگر

ان کے سوا ہم کو قتل کس نے کیا؟

اس سے ان کے تشیع پر روشنی کون سی پڑی؟ یہ کس نے کہہ دیا کہ امام حسینؑ کی مظلومیت سے متاثر ہو کر رو دینا تشیع کی ضمانت ہے؟

مخالف کی عجیب و غریب تحریف

مجالس المومنین کی عبارت سے بے جا استدلال

شیعیانِ کوفہ کے قتل امام حسینؑ میں شریک ثابت کرنے کی ناکام کوشش

قاتلان حسینؑ کو شیعہ ثابت کرنے کے سلسلے میں بڑے شد و مد سے جو چیز پیش کی جاتی ہے وہ مجالس المومنین مصنفۂ قاضی نور اللہ شوستری کی عبارت ہے لیکن ہم نے جو اصل کتاب کو نکال کر عبارت کا مقابلہ کیا تو نقل شدہ عبارت میں ایسی کاٹ چھانٹ تراش خراش نظر آئی جو کسی طرح دیانت و امانت کے اصول پر جائز نہیں ہو سکتی۔ اپنے مطلب کے حصول کے لیے اس قسم کی تحریف کرنا فن تصنیف و تالیف اور مباحثہ و مناظرہ پر بدنما داغ لگاتا ہے۔

اب ہم منقول شدہ عبارت اور اُس کے تناسب سے اصل عبارت درج کر کے اُس کے تحریفات کی نشاں دہی کرتے ہیں ۔

منقول شدہ عبارت جس کو پیش کیا جاتا ہے

"سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است وسبب خروج او بر بنی اُمیہ آن بود کہ چوں طائفہ کوفیاں با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بہ شہادتِ امام حسین رسانیدند سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بہ دنداں گرفتہ برخود نفرین می کرد کہ خسران دُنیا و آخرت نصیب باشد کہ بعد ازاں کہ امام حسینؑ را طلب داشتیم تیغ بر روے او کشیدیم تا از بے وفائی مارسید باو آنچ رسید و رؤسائے ایں جماعہ پنج نفر بودند سلیمان بن صرد خزاعی و مسیب بن نجبہ و عبداللہ بن سعد و عبداللہ بن وال و رفاعہ بن شداد و ایں پنج کس از معارف اصحاب امیر المومنینؑ بودند و چوں عزیمت ایشاں بہ طلب خون امام حسین تصمیم یافت جمع کثیر در سرائے سلیمان بن صرد خزاعی جمع آمدند و مسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر سعد بہ کربلا رفتہ بود آغاز سخن کردہ" الخ

اصل عبارت جو مجالس المومنین کے مطبوعہ نسخے میں موجود ہے

سلیمان بن صرد کا نام لکھنے کے بعد استیعاب ابن عبدالبر کے حوالے سے اُن کی

مختصر حالات درج کیے ہیں پھر لکھا ہے :

" صاحب روضۃ الصفا آوردہ کہ منشاء خروج بر بنی امیہ آں بود کہ طائفہ کہ از کوفیاں با مسلم بن عقیل عہد و بیعت کردہ بودند و نقض عہد کردہ امام حسینؑ را نصرت نہ نمودند تا با اہل بیت و اصحاب خود بہ درجہ شہادت رسید بعد از چندگاہ متنبہ شدہ انگشت حیرت بہ دنداں گرفتہ بر خود نفرین کردند کہ خسران دنیا و آخرت نصیب ماشد کہ بعد ازاں کہ امیر المومنین حسینؑ را طلب داشتیم تیغ در روے او کشیدیم تا از بے وفائی ما رسید باو آن چہ رسید و روسائے این جماعت پنج نفر بودند سلیمان بن صرد الخزاعی و مسیب بن نجبۃ الفزاری و عبداللہ بن سعد الازدی و عبداللہ بن والی التمیمی و رفاعہ بن شداد و ایں پنج کس از معارف اصحاب امیر المومنین علیؑ بودند و چوں عزیمت ایشاں بطلب خونِ امام حسین تصمیم یافت جمعے کثیر در سرائے سلیمان بن صرد جمع آمدند و مسیب بن نجبہ کہ مصحوب عمر نحس بر کربلا رفتہ آغاز سخن کردہ الخ "

اب ملاحظہ ہو کہ اس مختصر سی عبارت میں کتنے تصرفات جائز سمجھے گئے ہیں :

" سلیمان بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است و سبب خروج او بر بنی امیہ آن بود " اس عبارت کو ایک ڈال اور مسلسل طور پر نقل سے غرض یہ ہے کہ آخر تک تمام عبارت قاضی نور اللہ شوستری کی سمجھی جاسکے حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ سلیمان

بن صرد خزاعی ساکن کوفہ است" کے بعد کچھ حالات لکھ کر" صاحب روضۃ الصفا آوردہ" کی لفظیں موجود تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی عبارت روضۃ الصفا کی ہے جو علمائے اہل سنت میں سے ہیں اور شیعہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے پھر اس کے بعد یہ الفاظ تھے کہ " طائفۂ از کوفیاں با مسلم بن عقیلؓ عہد و بیعت کردہ بودند و نقض عہد کردہ امام حسین را نصرت نہ نمودند تا با اہلبیت و اصحاب خود بہ درجۂ شہادت رسید۔"

" اہل کوفہ میں سے وہ جماعت کہ جس نے مسلم بن عقیل کے ساتھ عہد و بیعت کی تھی اور پھر عہد شکنی کرکے امام حسینؑ کی نصرت نہ کی یہاں تک کہ حضرت اپنے اہل بیت و اصحاب کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ اس جماعت اہل کوفہ پر جو الزام عائد کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے امام حسینؑ کی مدد نہ کی یہاں تک کہ حضرت شہید ہو گئے بس، لیکن اس عبارت کو نقل جو کیا جاتا ہے تو وہ یوں کہ :

" چوں طائفۂ کوفیاں با مسلم بیعت کردہ نقض عہد کردند و نوبت بہ شہادت امام حسینؑ رسانیدند۔"

" جب اہل کوفہ کی جماعت نے مسلم کے ساتھ بیعت کرکے عہد شکنی کی اور امام حسینؑ کی شہادت تک نوبت پہنچائی۔"

اس میں ایک تو " طائفۂ از کوفیاں" کے بجائے " طائفۂ کوفیاں" کہہ کر ذمہ داری کو تمام اہل کوفہ کی جانب عائد کر دیا گیا ہے پھر " نصرت نہ نمودند

تا بدرجہ شہادت رسید" کے بجائے

"نوبت بہ شہادت امام حسینؑ رسانیدند" کرکے حضرت سید الشہداء کے قتل کو تمام تر اُن ہی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جس سے اُن ہی کا قاتلِ امام حسینؑ ہونا ثابت ہو۔"

پھر اس کے بعد اصل عبارت یوں ہے کہ

" بعد از چند گاہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بہ دنداں گرفتہ برخود نفرین کردند الخ"

یعنی وہی جماعت کچھ عرصے کے بعد متنبہ ہو کر انگشت بہ دنداں ہوئی اور اُس نے اپنے اوپر لعنت ملامت کی۔"

لیکن نقل کرنے میں یوں کر دیا گیا کہ

"سلیمان بعد از چند ماہ متنبہ شدہ انگشت حسرت بہ دنداں گرفتہ برخود نفرین کرد۔"

یہ اس لیے کہ صاف طور پر سلیمان بن صرد خزاعی اُس ذمہ داریِ قتل میں شریک ہو جائیں اور اس سے علیحدہ نہ رہیں۔

کیا حقیقت کی تلاش کیلئے ایسی ہی ملمع کاریوں کی ضرورت ہوتی ہے اور تحقیق کے معنی یہی ہیں کہ اتنی حقیقت پوشی سے کام لیا جائے۔

اسی سے ناظرین کو اندازہ ہو گا کہ مقصد کتنا کمزور ہے کہ بغیر ان کارروائیوں کے پایۂ ثبوت تک پہنچایا ہی نہیں جا سکتا۔

یہ تھی حقیقت اس دعوے کی کہ " قاتلانِ حسینؑ کے شیعہ کہنے کی

بنیاد کتب شیعہ پر ہے۔"

معلوم ہو گیا کہ نہ کتب اہل سنّت ہی قاتلانِ حسینؑ کو شیعہ بتلانے میں ہم آواز ہیں اور نہ کتب شیعہ ہی اس میں ہم ساز۔ اُن کے شیعہ ثابت کرنے کی سعی ناکام ہے اور ہمیشہ ناکام رہے گی چاہے اس میں کتنی ہی کوشش صرف کی جائے۔

وَالحُجَّۃُ البَالِغَۃُ عِندَ رَبِّكَ وَالسَّلَام

علی نقی النقوی عفی عنہ
۱۴ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ